ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

جلد 21 شمارہ 04 نومبر 2023ء - ربیع الآخر 1445ھ

جلد 21 شمارہ 04

نومبر 2023ء - ربیع الآخر 1445ھ

ماہنامہ التبلیغ راولپنڈی

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت
مفتی محمد ناصر
مولانا طارق محمود
مولانا محمد ریحان

فی شمارہ..... 50 روپے
سالانہ..... 500 روپے

پبلشرز
محمد رضوان
سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

خط و کتابت کا پتہ
ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959
راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

قانونی مشیر
محمد شرجیل جاوید چوہدری
ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
0323-5555686

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 400 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ "التبلیغ" حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہوجانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جا سکے گا

برائے رابطہ ..... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17
عقب پٹرول پمپ وچھڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان
فون: 051-5507530-5507270 فیکس: 051-5702840
www.idaraghufran.org
Email:idaraghufran@yahoo.com
www.facebook.com/Idara Ghufran

www.idaraghufran.org

ترتیب وتحریر
صفحہ

آئینۂ احوال.....مسلمانوں کے باہمی اختلافات اورموجودہ حالات.... مفتی محمد رضوان	3
درسِ قرآن (سورہ آلِ عمران: قسط 44).........................نبیوں کے ہمراہ مقاتلین کی	
صفات،اوران کی جزاء... // //	7
درسِ حدیث .... برزخ وقبر کی حیات،اور جسم وروح کا تعلق (قسط 25)... // //	15
مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ	
افادات وملفوظات...مفتی محمد رضوان	19
علم کے مینار: ....فقہ مالکی،منہج،تلامذہ،	
کتب،مختصر تعارف (گیارہواں حصہ)......................................مفتی غلام بلال	22
تذکرۂ اولیاء: ....عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ریاستی	
گورنروں کی تقرری (قسط 11)..مولانا محمد ریحان	26
پیارے بچو!.......................میں اللہ کو کیسے مانوں؟..................... // //	28
بزمِ خواتین ...ملازمت اورتجارت میں خواتین کے اختیارات (نواں حصہ).......مفتی طلحہ مدثر	30
آپ کے دینی مسائل کا حل ....تکفیر بازی ومغالطاتِ	
سلفی کا جائزہ (قسط 13)...ادارہ	33
کیا آپ جانتے ہیں؟...ساتھ زمینوں کی	
مخصوص روایت اورمتن پر کلام (قسط 1).................................مفتی محمد رضوان	47
عبرت کدہ ......بنی اسرائیل اور ''ذبحِ بقرہ'' کا واقعہ (تیسرا وآخری حصہ).....مولانا طارق محمود	55
طب وصحت.......................''حُلبۃ''،یعنی میتھی.............حکیم مفتی محمد ناصر	58
اخبارِ ادارہ ....ادارہ کے شب وروز.......................... // //	60

www.idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ احوال

مفتی محمد رضوان

مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور موجودہ حالات

ہم نے یہ بات بار بار باور کرائی ہے کہ مسلمانوں کو عام طور پر خود مسلمانوں نے ہی زیادہ نقصان پہنچایا ہے، دوسرے مسلمانوں کی اعانت اور شہ حاصل ہوئے بغیر براہِ راست کافروں کو مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت، یا ہمت نہیں ہوتی، اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے، یا زیر کرنے کے لیے دوسرے مسلمانوں کے کندھوں کو استعمال کیا، اور آج بھی وہ ایسا ہی کرتے ہیں، اور کھلم کھلا، اور زور وشور کے ساتھ کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں آج مسلمانوں کا آپس میں مؤثر، دیرپا اور وہ اتحاد نہیں، جو شریعت کی طرف سے مطلوب ہے، مسلمانوں کے ممالک بھی ایک دوسرے کے ساتھ مخلص نہیں، کافروں کی طرف سے جس کو ''مال و دولت اور عہدہ ومنصب'' کی ہڈی ڈالی جاتی ہے، وہ اس طرف دوڑ پڑتا ہے، اور دوسرے مسلمانوں کے خلاف غراتا ہے، اور جب تک کافروں کی طرف سے ڈالی ہوئی ہڈی سے نوچ نوچ کر کھانے سے فراغت نہیں مل جاتی، اس وقت تک وہ اسی کام میں مشغول رہتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ خصلت دنیا میں بھی اچھی شمار نہیں کی جاتی، اور اس خصلت کو جانوروں میں ''کتے'' کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، جو ہڈی کی خاطر اپنی قوم کا دشمن بن جاتا ہے۔ ایسی حالت میں طاغوتی طاقتیں، ڈگڈگی بجا کر اور مسلمانوں کو آپس میں لڑوا کر اس طرح تماشا دیکھتی ہیں، جیسا کہ جانوروں کو آپس میں لڑا کر تماشا دیکھا جاتا ہے۔

اور جب دشمنانِ اسلام کو کسی خاص موقع پر، مسلمانوں کو آپس میں لڑوانے کی فضا ہموار نظر نہیں آتی، مثلاً جب ان کی طرف سے بیتُ اللہ، یا بیتُ المقدس، یا قرآن مجید، یا نبی کی تنقیص وغیرہ کا مسئلہ درپیش ہو، جس کے ساتھ عالمی سطح پر مسلمانوں کے جذبات متحد ہوں، تو ایسے وقت مسلمانوں کے مفادات ومصالح کو اس طرح تقسیم کر دیا جاتا ہے کہ وہ قدرت واستطاعت ہونے کے باوجود، ایک دوسرے کی مؤثر نصرت ومدد کرنے سے قاصر رہتے ہیں، اور صرف بیان بازیوں اور جلسوں

،جلوسوں اور ریلیوں، سیمیناروں، یا عارضی وچھوٹی موٹی بائیکاٹیوں تک ان کی جدوجہد کا دائرہ محدود رہتا ہے، وہ اپنا سارا زور اسی قسم کی چیزوں پر لگانے کو مظلوم ومتاثرہ مسلمانوں، یا ان کے متبرک مقامات واشخاص وغیرہ کی مدد ونصرت خیال کرتے ہیں، جس نے مجمع اکھٹا کر کے دو چار الفاظ بول دیئے، بس اس نے گویا کہ اسلام کا حق اداء، اور اس کا دفاع کر دیا، اور جس نے زیادہ سخت الفاظ میں مذمت کر دی، اس نے تو گویا کہ کافروں کے مقابلہ میں فتح ہی حاصل کر لی، زیادہ کچھ کیا، تو کفار کی چند چیزوں کو کچھ دنوں تک خریدنا چھوڑ دیا، اور یہ نہ سوچا کہ ہمارے دشمن عالمی سطح پر تجارت ومعیشت میں ہم سے آگے آخر کیوں ہیں، ہمارے اندر کیا کمی ہے، جس کو ہمیں دور کرنے کی عملی طور پر اور مستقل بنیادوں پر ضرورت ہے؟ کیا سالہا سال اور صدیوں سے دنیا بھر کے مسلمانوں سے اپنی موثر اور بہتر تجارت ومعیشت کے ذریعہ مال اکھٹا کرنے، اور عالمی معیشت پر قابض ہونے والوں پر اس طرح کی عارضی چیزوں سے خاطر خواہ اثر پڑتا ہے؟ یا ان شعبہائے زندگی میں مسلمانوں کو اپنے بدترین کردار کو درست کرنا اس مسئلہ کا اصل حل ہے؟

صحابۂ کرام اور اسلاف کا یہ طریقہ ''محض بیان بازی، اور عارضی بائیکاٹیوں'' کا ہرگز نہ تھا، وہ پوری قوت وصلاحیت کے ساتھ متحد ومجتمع ہو کر تعمیری وعملی اقدامات کیا کرتے تھے، جن سے آج کے مسلمان محروم ہیں، اور بدقسمتی سے مسلمانوں نے محض چرب لسانی اور زبان درازی وغیرہ کو ہی کامیابی کا اصل ذریعہ سمجھ رکھا ہے، اور عملی اقدامات کا اصل طریقہ دشمنانِ اسلام نے اختیار کر رکھا ہے، جس کی وجہ سے وہ غالب اور ہم مغلوب ہیں۔

دوسری طرف عالمی سطح کے علاوہ نجی وملکی سطح پر بھی عام مسلمانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق واتحاد نہیں، لڑائی، جھگڑوں اور باہمی تنازعات سے نہ ہماری ملکی سیاست محفوظ ہے، اور نہ ہی ہمارے خاندان اور گھر محفوظ ہیں، جہاں نظر ڈالو، وہیں باہمی جنگ وجدل کی فضاء نظر آتی ہے۔

بلکہ ہمارے یہاں تو المیہ یہ ہے کہ نفس وشیطان اور کافروں کی مذموم اور خفیہ سازش کے نتیجہ میں دینی، مذہبی، مسلکی ومشربی تنازعات واختلافات اس قدر شدت وطوالت پکڑ چکے ہیں کہ جن کا سرا ڈھونڈنا بھی مشکل ہو چکا ہے۔

یہاں تک کہ ’’مساجد‘‘ جن کو خالص اللہ کی عبادت کے لیے بنایا، اور تعمیر کیا جاتا ہے، ان کو بھی مخصوص مسلک ومشرب کا پابند بنادیا گیا ہے،اور ہر مسلک ومشرب والا اپنے مخالف کو ہٹا کر اس پر خود قابض ہونے کے درپے رہتا ہے،اور منبرِ رسول پر بیٹھ کر، اور جانشینِ رسول ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود، جب تک وہ اپنے مخالف مسلمانوں کی تحقیر وتذلیل، بلکہ تکفیر سے اپنی زبان کو آلودہ نہ کرلے،اس وقت تک اس کو دینِ اسلام کی تبلیغ کا حق اداء ہوتا نظرنہیں آتا۔

افسوس کہ اللہ کے گھر کو بھی اپنے اپنے مخصوص مسلک ومشرب کا مرکز تصور کرلیا گیا ہے، جہاں رات ودن، اپنے مخالفین کے افکاراوران کے اعمال میں کیڑے نکالے جاتے ہیں،اور اللہ کے گھر میں بیٹھ کرایک طرح سے،اپنی اپنی فوجیں دوسرے مسلمانوں کے خلاف تیار کی جاتی ہیں۔

رہ گیا مسئلہ تعلیم وتعلم کے اداروں کا،تو وہاں بھی الا ماشاءاللہ یہی صورتِ حال ہے، ہرمکتبِ فکر سے وابستہ ادارہ کواپنے مکتبِ فکر کو پروان چڑھانے، اس کی تعلیم دینے کا بھوت اس طرح سر پر سوار ہو چکا ہے کہ اگر یہ کام نہ کیا،تو گویا کہ اس ادارہ کے قیام کی غرض وغایت، اور مقصود ومطلوب کی تکمیل ہی نہ ہوسکے گی، اور انتہاء یہ ہے کہ ان اداروں سے فراغت پانے،اور سندِ علم حاصل کرنے کا مدار بھی اپنے مخصوص افکارواعمال کے موافق رائے قائم کرنے پر رکھ دیا گیا ہے، جہاں امتحان میں کامیابی پانے، اور سند حاصل کرنے لیے اسی قسم کے سوالات کا مثبت جواب دینا ضروری ہے،اور اس سے بڑھ کر یہ کہ سندِ اجازت میں بھی تحریری طور پر اس کا پابند کیا جاتا ہے، جس کے بعد قوم کی قیادت کی باگ دوڑ سنبھالنے پر اس کی پابندی ضروری قرار پاتی ہے، بصورتِ دیگر سندِ اجازت کے سلب ہونے، اوراس مسلک کی بغاوت کا ٹھپہ لگ جانے کا خوف دامن گیر رہتا ہے۔

ان حالات میں بھلا ایسا معتدل موقف اختیار کرنے، اور اس کی نشر واشاعت کی کیسے اجازت ہوسکتی ہے، جس میں اس مسلک کی بے اعتدالیوں کے خلاف کوئی حق واعتدال پر مبنی بات کی گئی ہو۔

اس فضاء کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی بھی مسلک ومکتبِ فکر سے علم حاصل کرنے والی شخصیت، عمر بھر کر کے لیے قید وبند کی سلاخوں میں جکڑ کر بے دست وپا ہوکر رہ جاتی ہے،اور مختلف مسالک ومکاتب میں پائی جانے والی بے اعتدالیوں کی اصلاح کی جدوجہد نہیں ہو پاتی۔

ایسی صورتِ حال میں ضرورت ہے کہ ایسے تعلیمی وتربیتی اداروں کو قائم کیا جائے، جن میں تعصب وتحزب، اور مسلک پرستی کے بجائے، خالص دینی وعلمی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا جائے، اور مسلمانوں کے درمیان، اصولِ شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے اتحاد واتفاق، اور رواداری کو پروان چڑھایا جائے، تب ہی جا کر مسلمان آپس میں متحد ہو کر کفار کے مقابلہ میں کوئی مؤثر لائحہ عمل تیار کر سکتے ہیں، جب تک وہ خود باہمی جنگ وجدل، اور ایک دوسرے کی تحقیر وتذلیل میں مصروف ہوں، بلکہ دوسروں کو مسلمان تک بھی تصور نہ کرتے ہوں، ان پر کفر وارتداد کے فتوے عائد کرتے ہوں، تو ایسی صورت میں کفار کو کیسے زیر کر سکتے ہیں، آخر ہم کب سمجھیں گے، اور کب سنبھلیں گے، جب سب کچھ ختم ہو جائے گا، اور ہاتھ میں کچھ بھی نہیں رہے گا، کیا ہم اس وقت کے منتظر ہیں؟

اللہ تعالیٰ ایسا وقت آنے سے پہلے فہمِ سلیم عطاء فرمائے۔ آمین۔

(زیرِ طبع، صفحات:900)

تکفیر بازی ومغالطاتِ سلفی کا تحقیقی جائزہ (حصہ اول)

قرآن وسنت، وجمہور سلف کی عبارات، وتصریحات، اور اصول تکفیر کی روشنی میں

''تکفیر بازی'' اور اس میں ''تشدد وتعصب پرستی'' سے متعلق عبدالجبار سلفی صاحب

کی طرف سے، ادارہ غفران کے ایک فتوے ومضمون پر مجلّہ حق چار یار میں شائع

کردہ معاندانہ ومتشددانہ اعتراضات ومغالطات، اور الزامات واتہامات کا جائزہ

مذکورہ غیر شعوری منصفانہ تجزیہ کی علمی حقیقت وحیثیت

اور جملہ اھلُ السنة والجماعة سے الگ تھلگ موقف

اور اھلُ الفرقة کے مشابہ ومترادف منہج پر علمی وتحقیقی کلام

(علمی وتحقیقی رسائل کی جلد18، پر ماہنامہ ''حق چار یار'' میں شائع شدہ10 اقساط کا تحقیقی وتفصیلی جواب)

مؤلف: مفتی محمد رضوان

مطبوعہ: ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

درسِ قرآن(سورہ آلِ عمران: قسط44، آیت نمبر146تا148) مفتی محمد رضوان

نبیوں کے ہمراہ مقاتلین کی صفات، اوران کی جزاء

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (146)وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (147)فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ(148)(سورۃ آلِ عمران)

ترجمہ: اور کتنے ہی نبی ہیں کہ قتال کیا ان کے ہمراہ، بہت سے رب والوں نے، تو نہ ہمت ہاری انہوں نے اس (مصیبت) کی وجہ سے، جو پہنچی ان کو اللہ کے راستہ میں اور نہ کمزور پڑے وہ، اور نہ دبے وہ، اور اللہ محبت کرتا ہے، صبر کرنے والوں سے(146)اور ان کی بات اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ کہا انہوں نے کہ اے ہمارے رب، مغفرت فرما دیجئے ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی اور ہماری زیادتی کی ہمارے کام میں، اور ثابت رکھیے ہمارے قدموں کو اور نصرت فرمایئے ہماری کافروں کی قوم پر(147) پھر دیا ان کو اللہ نے ثواب دنیا کا اور اچھا ثواب آخرت کا، اور اللہ محبت رکھتا ہے نیک کام کرنے والوں سے(148)(سورہ آلِ عمران)

تفسیر وتشریح

سورہ آلِ عمران کی مذکورہ تین آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ہمراہ اللہ کے راستہ میں قتال کرنے والے ربانی اور نیک لوگوں کی چند اہم ایمانی واخلاقی صفات کا ذکر فرمایا ہے، جن کو اختیار کرنے کے نتیجہ میں وہ دنیا وآخرت کی کامیابی سے سرفراز ہوے، تاکہ امتِ محمدیہ کے لوگ بھی ان صفات کو اپنا کر دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل کرسکیں۔

www.idaraghufran.org

چنانچہ سورہ آلِ عمران کی مذکورہ تین آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

”وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ“

”اور کتنے ہی نبی ہیں کہ قتال کیا ان کے ہمراہ، بہت سے رب والوں نے، تو نہ ہمت ہاری انہوں نے اس (مصیبت) کی وجہ سے، جو پہنچی ان کو اللہ کے راستہ میں اور نہ کمزور پڑے وہ، اور نہ دبے وہ، اور اللہ محبت کرتا ہے، صبر کرنے والوں سے“

مطلب یہ ہے کہ کتنے نبی ایسے گذر چکے ہیں کہ ان کے ساتھ شامل ہوکر اللہ کے راستہ میں کفار سے قتال کرنے والے بے شمار اللہ والے ایسے ہوے کہ انہوں نے اللہ کے راستہ میں پہنچنے والی آزمائشوں سے ہمت نہیں ہاری، ان کے حوصلے پست نہیں ہوے، بلکہ انہوں نے اپنی ہمتوں اور حوصلوں کو بلند رکھا، اور نہ وہ کمزور پڑے، بلکہ وہ پوری قوت وطاقت کے ساتھ لڑتے رہے، اور نہ ہی وہ کافروں کے سامنے سرنگوں اور سرنڈر ہوے، بلکہ پورے دبدبہ کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔

یہ طرزِ عمل ان کے ”صبر“ کا نتیجہ تھا، اور اللہ ایسے صبر کرنے والوں سے ہی محبت رکھتا ہے۔

یہ ان اللہ والوں کے نبیوں کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ ان کے ایمان اور اخلاق بلندیوں پر فائز تھے، اس لیے اگر غزوہ اُحد وغیرہ میں مسلمانوں کو تکالیف پہنچیں، تو ان کو بھی یہی طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔

اس کے بعد سورہ آلِ عمران کی مذکورہ تین آیات میں سے دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

”وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ“

”اور ان کی بات اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ کہا انہوں نے کہ اے ہمارے رب، مغفرت فرما دیجئے ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی اور ہماری زیادتی کی ہمارے کام میں، اور ثابت رکھیے ہمارے قدموں کو اور نصرت فرمایئے ہماری کافروں کی قوم پر“

اس آیت میں ان نبیوں کے ساتھ شامل ہوکر قتال کرنے والوں کی زبان سے مذکورہ ایمانی واخلاقی اظہار کا بھی ذکر فرمادیا گیا کہ وہ اپنی زبان سے جو دعاء کیا کرتے تھے اس میں اپنے گناہوں اور اپنے کاموں میں زیادتی کی مغفرت طلب کرنا، اور ثابت قدمی، اور کافر لوگوں کے مقابلہ میں

نصرت ومدد کی دعاء شامل تھی۔

جس سے ظاہر ہوا کہ وہ ایمان واخلاق کی بلندترین سطح پر تھے، جن میں اخلاص وللہیت اور رجوع الی اللہ کی صفات جمع تھیں، مسلمانوں کو بھی غزوہ اُحد وغیرہ کے موقع پر اسی طرزِ عمل کی ضرورت ہے۔

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گذر چکا ہے کہ:

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ. فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ (سورة البقرة، رقم الآيات ۲۵۰، ۲۵۱)

ترجمہ: اور جب سامنا کیا انہوں نے جالوت اور اس کے لشکر کا، کہا انہوں نے کہ اے ہمارے رب! ڈال دیجیے ہم پر صبر، اور ثابت قدم رکھیے ہمیں، اور مدد فرمایئے ہماری کافر قوم پر۔ پس شکست دے دی انہوں نے، ان کو اللہ کے حکم سے، اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو، اور عطاء کی، اس کو اللہ نے بادشاہی اور حکمت، اور تعلیم دی اس کو ان چیزوں کی، جو اللہ نے چاہیں (سورہ بقرہ)

اور سورہ بقرہ میں ہی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی گذر چکا ہے کہ:

فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (سورة البقرة، رقم الآية ۲۸۶)

ترجمہ: پس مدد فرمایئے ہماری کافروں کی قوم پر (سورہ بقرہ)

پھر اس کے بعد سورہ آلِ عمران کی مذکورہ تین آیات میں سے تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

"فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ"

"پھر دیا ان کو اللہ نے ثواب دنیا کا اور اچھا ثواب آخرت کا، اور اللہ محبت رکھتا ہے نیک کام کرنے والوں سے"

یعنی نبیوں کے تربیت یافتہ اور اللہ والے "غازی" دنیا میں بھی کامیاب ہوئے کہ ان کو فتح ونصرت

اور غلبہ حاصل ہوا، مالِ غنیمت بھی ملا، کفار کی سرکشیوں سے نجات ملی اور چین وسکون کے ساتھ اللہ کی عبادت واحکام پر عمل آسان ہوا،خود ان کو اور ان کی آل واولاد اور جملہ مسلمانوں کو فراخی وآسائش حاصل ہوئی،تکالیف سے نجات ملی۔

اور آخرت میں عظیم اجروثواب کے بھی مستحق قرار پائے، کیونکہ ان کا مقصود اللہ کی رضا کو حاصل کرنا اور اللہ کے کلمہ ونام کو بلند کرنا تھا، دنیا کا حصول پیشِ نظر نہ تھا،اور اللہ کے پاس دنیا وآخرت دونوں کی جزاء کا اختیار ہے،جیسا کہ اس سے پہلی آیات کی تفسیر کے ضمن میں کئی آیات کو نقل کیا جاچکا ہے۔

احادیث میں بھی اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ قتال کرنے کی فضیلت واہمیت ،اور دنیاوی غرض کی خاطر قتال کرنے کی مذمت اور اس پر وعید کا ذکر آیا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا الْقِتَالُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ فَإِنَّ أَحَدَنَا يُقَاتِلُ غَضَبًا، وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً، فَرَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ، قَالَ:وَمَا رَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ قَائِمًا، فَقَالَ:مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا، فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (بخاری، رقم الحدیث ۱۲۳)

ترجمہ: ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا،اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول!اللہ کے راستہ میں قتال کیا ہے؟اس لئے کہ کوئی ہم میں سے (کسی پر) غصہ کی وجہ سے قتال کرتا ہے،اور کوئی حمیت (یعنی لسانی،قومی طرفداری وغیرہ) کی وجہ سے قتال کرتا ہے،تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اس کی طرف اٹھایا،اور آپ نے سر اسی وجہ سے اٹھایا کہ وہ کھڑا ہوا تھا، پھر آپ نے فرمایا کہ جو شخص اس لئے قتال کرتا ہے کہ اللہ کا کلمہ (توحید واسلام کی دعوت) بلند ہوجائے تو وہ اللہ کے راستہ میں ہے (بخاری)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ أَعْرَابِيٌّ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:اَلرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ، وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُذْكَرَ، وَيُقَاتِلُ لِيُرٰى مَكَانُهُ، مَنْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ فَقَالَ:مَنْ قَاتَلَ،

www.idaraghufran.org

لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا، فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (بخاری، رقم الحدیث ۳۱۲۶، باب من قاتل للمغنم، هل ینقص من أجره؟)

ترجمہ: ایک دیہاتی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ایک آدمی مالِ غنیمت (حاصل کرنے) کے لیے قتال کرتا ہے، اور ایک آدمی اپنی نام آوری (وشہرت) کے لیے قتال کرتا ہے، اور اپنی بہادری دکھانے کے لئے قتال کرتا ہے، تو (ان میں سے) اللہ کے راستہ میں کون (قتال کرنے والا) ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے قتال کرے، تو وہ اللہ کے راستہ میں (قتال کرنے والا) ہے (بخاری)

اللہ کا کلمہ بلند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ''کلمۂ توحید اور دعوتِ اسلام'' کا مقصود پورا ہو جائے'' اس غرض سے قتال کرنے والا ہی اللہ کے راستہ کا ''غازی'' ہے، جس میں اللہ کی رضا، اور جنت کے حصول کی نیت کرنے والا بھی داخل ہے، مال وشہرت کے حصول، یا محض جان ومال کا دفاع کرنے والا، اللہ کے راستہ کا اصل ''غازی'' نہیں۔ [1]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ :اَلْغَزْوُ غَزْوَانِ، فَأَمَّا مَنِ ابْتَغٰى وَجْهَ اللّٰهِ، وَأَطَاعَ الْإِمَامَ، وَأَنْفَقَ الْكَرِيْمَةَ، وَيَاسَرَ الشَّرِيكَ، وَاجْتَنَبَ الْفَسَادَ، فَإِنَّ نَوْمَهُ وَنُبْهَهُ أَجْرٌ كُلُّهُ، وَأَمَّا مَنْ غَزَا فَخْرًا وَرِيَاءً وَسُمْعَةً وَعَصَى الْإِمَامَ وَأَفْسَدَ فِي الْأَرْضِ، فَإِنَّهُ لَنْ يَّرْجِعَ بِكَفَافٍ(مستدرک للحاکم،رقم الحدیث ۲۴۳۵) [2]

---

[1] (من قاتل لتكون كلمة الله) أی كلمة توحيده وهی الدعوة إلى الإسلام (هی العليا) بضم العين تأنيث أعلى (فهو)أی المقاتل (فی سبيل الله) قدم هو ليفيد الاختصاص فيفهم أن من قاتل للدنيا أو للغنيمة أو لإظهار نحو شجاعة أو ذب عن نفس أو مال فليس فی سبيل الله ولا ثواب له نعم من قاتل للجنة ولم يخطر بباله إعلاء كلمة الله فهو كالمقاتل للإعلاء إذ مرجعهما وهو رضا الله واحد كذا قيل وهل يشترط مقاربة قصد الإعلاء للقتال أو يكفی عند التوجيه؟ رجح البعض الثانی لكن أقول يشترط أن لا يأتی بمناف بينهما كما هو ظاهر(فيض القدير للمناوی، تحت رقم الحديث ۸۸۹۱)

[2] قال الحاكم:هذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "
وقال الذهبی:على شرط مسلم

www.idaraghufran.org

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''غزوہ''(جہاد وقتال) دوطرح کا ہے،ایک اس شخص کا غزوہ ہے، جو اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے کرے،اور امام(وامیر) کی اطاعت کرے،اور پسندیدہ مال خرچ کرے،اور ساتھی کے ساتھ نرم برتاؤ کرے،اور فساد برپا کرنے سے بچے،تو بے شک اس کا سونا،اور اس کا جاگنا،سب اجر وثواب کا باعث ہے،اور دوسرا اس شخص کا غزوہ ہے، جو فخر اور ریاکاری،اورنام آوری کے لئے کرے،اورامام(وامیر) کی نافرمانی کرے،اورزمین میں فساد برپا کرے،تو بے شک یہ شخص محروم ہوکرلوٹنے والوں میں سے ہے(حاکم)

پہلی قسم کے غازیوں کی موجودہ دور میں بہت کمی ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کے پیشِ نظر اللہ کی رضا کے بجائے، مال وجائیداد، زمین، یا شہرت پیشِ نظر ہوتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ہر شخص مادر پدر آزاد ہوکر''امام وامیر کے بغیر ہی قتال کرنے کو کافی سمجھتا ہے،اوراگر کوئی امام وحاکم سر پر ہو،تو اس کی اجازت واطاعت کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی،اپنی من مانی کے مطابق جس طرح داؤ لگے کام کیا جاتا ہے، تیسری بات یہ ہے کہ اپنے ساتھیوں وہمراہیوں کے ساتھ نرمی وسہولت کا اہتمام کم ہوتا ہے، ہرایک کواپنی سہولت پیشِ نظر ہوتی ہے، چوتھی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو عام طور پر مالِ حلال کے حصول اور پسندیدہ مال خرچ کرنے کا لحاظ نہیں، پانچویں بات یہ ہے کہ شرعی حدود وقیود کا لحاظ بہت کم ہے، بلکہ بہت سے لوگوں کو تو اس کا علم بھی نہیں،اس لئے''قتال وجہاد'' کے عنوان سے''فساد'' بھی پیدا کیا جاتا ہے،اسی لئے وہ موجودہ زمانہ میں سالہا سال تک اکثر وبیشتر ''غزوہ وجہاد کی برکات سے مسلمان محروم رہتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو:مرقاۃ المفاتیح، ج٦،ص٢٤٨٨،کتاب الجهاد)

اورحضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:مَنْ غَزَا وَهُوَ لَا يَنْوِي فِيْ غَزَاتِهِ إِلَّا عِقَالًا، فَلَهُ مَا نَوَى(مستدرک للحاکم،رقم الحدیث ٢٥٢٢) [1]

[1] قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ وَشَاهِدُهُ حَدِيثُ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ الَّذِي . وقال الذهبي:صحيح.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ''غزوہ'' (یعنی جہاد وقتال) کیا، اور اس کی اپنے غزوہ سے نیت صرف ایک رسی حاصل کرنے کی ہے، تو اس کے لئے وہی ہے، جس کی اس نے نیت کی (حاکم)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَرَأَيْتَ رَجُلًا غَزَا يَلْتَمِسُ الْأَجْرَ وَالذِّكْرَ، مَالَهُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا شَيْءَ لَهُ فَأَعَادَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، يَقُوْلُ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا شَيْءَ لَهُ ثُمَّ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّامَا كَانَ لَهُ خَالِصاً وَابْتُغِيَ بِهٖ وَجْهُهٗ (سنن النسائی، رقم الحديث ٣١٤٠، كتاب الجهاد، باب من غزا يلتمس الاجر والذكر)

ترجمہ: ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور اس نے عرض کیا کہ آپ کی اس آدمی کے بارے میں کیا رائے ہے، جو جہاد کرتا ہے، اور ثواب بھی چاہتا ہے اور اپنا نام بھی چاہتا ہے، اس کو کیا حاصل ہوگا؟ تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو کچھ (اجر وثواب) حاصل نہیں ہوگا، اس آدمی نے یہ سوال تین مرتبہ دہرایا، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے کہ اس کو کچھ حاصل نہیں ہوگا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ اسی عمل کو قبول فرماتا ہے، جو خالص اس کے لئے ہو، اور اس کے ذریعہ سے اللہ کی رضا کو حاصل کیا جائے (نسائی)

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ غَازِيَةٍ تَغْزُوْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُصِيْبُوْنَ الْغَنِيْمَةَ، إِلَّا تَعَجَّلُوْا ثُلُثَيْ أَجْرِهِمْ مِنَ الْآخِرَةِ، وَيَبْقَى لَهُمُ الثُّلُثُ، وَإِنْ لَّمْ يُصِيْبُوْا غَنِيْمَةً، تَمَّ لَهُمْ أَجْرُهُمْ (صحيح مسلم، رقم الحديث ١٩٠٦، ١٥٣)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی اللہ کے راستہ میں

www.idaraghufran.org

’’غزوہ‘‘(یعنی جہادوقتال) کرنے والے غازی نہیں کہ جنھوں نے مالِ غنیمت حاصل کیا،مگروہ اپنے آخرت کے اجروثواب میں سے دوتہائی کودنیا میں ہی پالیتے ہیں،اور ان کاایک تہائی (آخرت کے اجروثواب کے لئے)باقی رہ جاتا ہے۔

اوراگروہ مالِ غنیمت کوحاصل نہ کرپائیں،توان کے لئے (آخرت کااجروثواب)پورا باقی رہتاہے(صحیح مسلم)

اب قرآن وسنت کی مذکورہ ہدایات وتعلیمات کوسامنے رکھ کرامتِ مسلمہ کواپنے کردارکاجائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ان میں کن کن چیزوں کی کمی ہے،جن کی وجہ سے وہ جہادوغزوات کی برکات سے محروم ہیں۔

آج اگرامتِ مسلمہ قرآن وسنت کی مذکورہ تعلیمات وہدایات کوملحوظ رکھے،تودنیاوآخرت کی کامیابی سے سرفرازہوسکتی ہے،لیکن ایک عرصہ سے مشاہدہ میں آرہاہے کہ مسلمانوں کے ایمان واخلاق اور اعمال میں یہ باتیں کمزورہوتی جارہی ہیں۔اللہ ہدایت عطاءفرمائے۔آمین۔

درسِ حدیث

مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

برزخ وقبر کی حیات، اور جسم وروح کا تعلق (قسط25)

علامہ انور شاہ کشمیری کا تیسرا حوالہ

علامہ انور شاہ کشمیری ''صحیحُ البخاری'' کی شرح ''فیضُ الباری'' میں فرماتے ہیں کہ:

قوله :(إلا الثقلين) والعذاب فيه من أشياء عالم آخر، كسعة القبر وتضييقه .فإنها كلها من عالم الغيب. على أن أوزان الأشياء ومقاديرها ليست بأمر متعين، فإن الشيء الواحد يرى صغيرا وكبيرا باعتبار آلات النظر .وكذا يختلف وزن الشيء الواحد عند وزنه بخط الاستواء ، ثم وزنه عند القطبين .وقد ذكر نيوتن أن الشيء الواحديختلف ثقلا وخفة بحسب تجاذب الأرض .فإذا وزنت شيئا على الأرض ثم وزنته فى الهواء تجده أثقل .فإذا علمت أن الشيء الواحد يمكن أن يكون صغيرا وكبيرا بحسب المرأى، وكذلك اختلف وزنه بحسب اختلاف المواضع .لم تبق للبصر حقيقة .فرب شيء تراه صغيرا يمكن أن يكون كبيرا فى الواقع وبالعكس، فطاحت المقادير رأسا .بقى حال الأصوات، فقد تسمع من بعد بعيد، وقد لا تسمع ممن هو فى البيت .فأى بعد فى رؤية الميت قبره القصير مبسوطا فى ستين أو سبعين ذراعا مثل .فقد شاهدنا اختلاف المقادير لشيء واحد فى هذا العالم فما البعد فيه عند اختلاف العالمين .على أنه يمكن أن يكون فى الأرض شيء يقبض ويبسط، كالجسم التعليمى عند الفلاسفة، فيصير ممدودا عند الثواب، ومقبوضا عند العذاب .وأيضا يمكن أن تترفع عنه الحجب إلى مسافة متعينة مع بقاء فى نفسه، كما ترى فى بعض الآلات الجديدة :يرى منها باطن الإنسان من فوق جلده .ثم لا حاجة فى إثبات عذاب القبر إلى ما قاله الصوفية :أن العذاب على البدن المثالى دون المادى .

وحينئذ لا بعد أن لم نشاهدا أحدا يعذب فى قبره، فإن الأسهل أن يقال :إنه من عالم الغيب وإقامة الدلائل العقلية عليه جهل، ومن يطيق ذلك .وإنما يشتغل به من لا يعرف الفرق بين الخطابة والبرهان (فیض الباری علی صحیح البخاری، ج۳، ص ۵۴، کتاب الجنائز، باب المیت یسمع خفق النعال)

ترجمہ: حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ ''انسان اور جنات کے علاوہ دوسری مخلوق، قبر کے عذاب کو سنتی ہے''

www.idaraghufran.org

اور قبر میں عذاب، دوسرے عالَم کی چیزوں میں سے ہے، جیسا کہ قبر کا کشادہ ہونا، اور قبر کا تنگ ہونا، پس یہ سب چیزیں عالمِ غیب سے تعلق رکھتی ہیں۔ [1]

اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ چیزوں کے اوزان اور ان کی مقادیر، امرِ متعین نہیں، کیونکہ ایک ہی چیز کو نظر کے آلات (دوربین، کیمروں اور ڈیجیٹل مشینوں وغیرہ) کے اعتبار سے، چھوٹا اور بڑا دیکھا جاسکتا ہے (جو بعض صورتوں میں بالکل نظر نہیں آتی، اور بعض صورتوں میں واضح اور جلی انداز میں نظر آتی ہے) اور اسی طرح سے ایک ہی چیز کا وزن مختلف ہوسکتا ہے، مثلاً ایک چیز کا خطِ استواء میں وزن کیا جائے، اور پھر قطبین کے علاقے میں وزن کیا جائے (یہ علاقوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے، مختلف ہوسکتا ہے) اور نیوٹن (نامی سائنسدان) نے یہ بات ذکر کی ہے کہ زمین کی کشش کے اعتبار سے ایک چیز کا وزن بھاری اور ہلکا ہوسکتا ہے، پس جب کسی چیز کا زمین پر وزن کیا جائے، پھر اس کا ہوا میں وزن کیا جائے، تو آپ اس کے وزن کو بھاری پائیں گے (اور اگر زمین کی کششِ ثقل والی فضاء سے اوپر کسی وزن والی چیز کو لے جایا جائے، تو زمین کی کششِ ثقل نہ ہونے کی وجہ سے، اس چیز کا وزن، نہایت کم ہوجاتا ہے، لہٰذا اگر بحکمِ الٰہی انسانوں کی ارواح کو اوپر لے جایا جاتا ہے، اور وہاں ان کی نقل وحرکت، دنیا کی نقل وحرکت سے مختلف ہوجاتی ہے، تو اس پر شبہ واعتراض درست نہیں)

پس جب آپ یہ بات جان چکے کہ دیکھے جانے والے ذرائع اور وسائل کے اعتبار سے، ایک ہی چیز کا چھوٹا اور بڑا ہونا ممکن ہے، اور اسی طریقے سے ایک چیز کا وزن، مقامات کے اعتبار سے مختلف ہوجاتا ہے، تو محض دیکھنے کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہ جاتی، پس بعض اوقات کوئی چیز چھوٹی نظر آتی ہے، جس کا واقع میں بڑا ہونا ممکن ہے (جیسا کہ سورج، چاند اور دیگر سیارے، سطحِ زمین سے بہت چھوٹے نظر آتے ہیں، لیکن واقع میں وہ جسامت کے اعتبار سے بہت بڑے ہیں، بلکہ بہت سے سیارے زمین سے بھی

[1] لہٰذا ان کو عالمِ دنیا کے اعتبار سے قرار دینے کے درپے ہونا، اور پھر ان چیزوں کا مشاہدہ نہ ہونے کی صورت میں ان چیزوں کا انکار کرنا ''قیاس مع الفارق'' کے قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

بڑے ہیں) اور اس کے برعکس کسی چیز کا بڑا نظر آنا ممکن ہے، جبکہ وہ واقع میں چھوٹی ہوتی ہے (جیسا کہ خوردبین سے چھوٹے چھوٹے ذرات بھی بڑے نظر آتے ہیں) پس مقادیر، سرے سے ناقابلِ اعتبار ٹھہرنے کے قریب ہوگئے۔

البتہ آوازوں کا معاملہ باقی رہا، تو آواز بھی بعض اوقات بہت دور سے سنی جاتی ہے، اور بعض اوقات اس شخص کی آواز بھی نہیں سنی جاتی، جو گھر کے اندر ہی موجود ہوتا ہے۔

پس میت کا اپنی چھوٹی قبر کو مثلاً ساٹھ (60) یا ستر (70) ذراع تک، کشادہ دیکھ لینا کون سی بعید و ناممکن بات ہے۔

جبکہ ہم اس عالم میں ایک ہی چیز کے مقادیر میں اختلاف کا مشاہدہ کر چکے ہیں، تو دونوں عالم کے مختلف ہونے کی صورت میں، اس میں کون سی بعید و ناممکن بات لازم آتی ہے۔ [1]

تیسری بات یہ ہے کہ زمین کے اندر ایسی چیز کا ہونا ممکن ہے کہ جس کی وجہ سے وہ تنگ ہوجائے، اور کشادہ ہوجائے، جیسا کہ فلاسفہ کے نزدیک ''جسمِ تعلیمی'' (Mathematical Body) کا معاملہ ہے، پس ثواب اور راحت کے وقت قبر لمبی و کشادہ ہوجاتی ہے، اور عذاب کے وقت تنگ ہوجاتی ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اس بات کا امکان پایا جاتا ہے کہ میت کے اپنی جگہ ہوتے ہوئے، اس سے ایک متعین فاصلے تک حجابات ہٹادیئے جاتے ہوں، جیسا کہ بعض جدید آلات (الٹراساؤنڈ اور اسکین وغیرہ) کے ذریعے، انسان کی کھال کے اوپر سے، اندر کے حصہ کو دیکھا (اور ملاحظہ کیا) جاسکتا ہے۔

پھر عذابِ قبر کو ثابت کرنے کے لیے صوفیاء کے اس قول کی حاجت نہیں کہ عذاب ''بدنِ

[1] مطلب یہ ہوا کہ دنیا کے اعتبار سے جو چیزوں کے بڑا، اور چھوٹا ہونے کا معیار ہے، وہ یکساں نہیں، اس لیے ممکن ہے کہ ایک چیز ظاہر میں چھوٹی نظر آرہی ہو، واقع میں بڑی ہو، اور ایک چیز ظاہر میں بڑی نظر آرہی ہو، اور حقیقت میں چھوٹی ہو۔

پس اسی طرح اگر اللہ نے کسی کی قبر کو بڑا اور کشادہ کردیا ہو، اور وہ دیکھنے میں چھوٹی نظر آرہی ہو، یا اللہ نے کسی کی قبر کو تنگ کردیا ہو، اور وہ دیکھنے میں کشادہ نظر آرہی ہو، تو ہمارے دیکھنے پر فیصلہ نہ ہوگا، بلکہ اللہ کے حکم پر فیصلہ ہوگا۔

اسی طرح اگر ہمیں قبر کے سانپ، بچھو وغیرہ نظر نہ آرہے ہوں، اور اللہ نے سانپ، بچھو وغیرہ کسی پر مسلط فرما رکھے ہوں، تو اللہ کی بات کا اعتبار ہوگا، کیونکہ اس کا فیصلہ حقیقت اور نفس الامر کے اعتبار سے ہوتا ہے، برخلاف ہمارے مشاہدات کے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

مثالی'' پر ہوتا ہے، نہ کہ ''بدنِ مادی'' پر۔ [1]

اور مذکورہ تفصیل کی صورت میں کوئی بُعد نہیں، اگر ہم نے کسی کو بھی قبر میں عذاب دیئے جانے کا مشاہدہ نہ کیا ہو، کیونکہ زیادہ سہل بات یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ عالمِ غیب کا معاملہ ہے، جس پر عقلی دلائل کو قائم کرنا ''جہل'' ہے، اس کی کون طاقت رکھتا ہے، اس میں تو صرف وہی شخص مشغول ہوتا ہے، جو خطابت اور دلیل میں فرق کو نہیں جانتا (فیض الباری)

علامہ انور شاہ کشمیری نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے سائنسی طریقہ پر بھی ''عذابِ قبر'' کو واضح فرمادیا، لیکن افسوس کہ آج جبکہ سائنسی اعتبار سے کافی کچھ واضح ہو چکا، اور پہلے زمانہ میں جو چیزیں ''نظری'' سمجھی جاتی تھیں، آج وہی چیزیں ''بدیہی'' شکل اختیار کر چکی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سورہ فصلت میں مذکور اس قول ''سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ'' کا مصداق بن کر حق کا تبین ہو چکا ہے۔ اب بھی بعض مسلمان اسلام کی بنیادی تعلیمات کی افہام و تفہیم سے قاصر ہیں، یا تردد و تذبذب کا شکار ہیں۔ (جاری ہے.....)

---

[1] یعنی بعض صوفیائے کرام، جو ظاہری اور عنصری جسم کے فناء ہو جانے، یا اس پر عذاب وغیرہ کے آثار نظر نہ آنے کی وجہ سے ''جسمِ مثالی'' کو مقدر مان کر اس جسم پر ان احوال کے جاری ہونے کا قول کرتے ہیں، تو گزشتہ توجیہات کے پیشِ نظر، صوفیائے کرام کی مذکورہ تاویل کی ضرورت نہیں، کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کسی دوسرے جسم، یا مثالی جسم کے ساتھ عذاب کا ذکر نہیں کیا گیا، اور نصوص میں میت کی طرف روح کا اعادہ کیے جانے اور اس کے جسم، یا جسم کے اجزاء کے ساتھ عذاب، یا راحت پہنچنے کا ذکر کیا گیا ہے، اور حقیقت سے مجاز کی طرف عدول کرنے کی کوئی معقول دلیل موجود نہیں، اس لیے جمہور اصحابِ علم نے بھی صوفیائے کرام کی مذکورہ تاویل کو اختیار نہیں کیا، اور اس قسم کی نصوص میں اعتبار، صوفیائے کرام کے بجائے، مفسرین، محدثین اور فقہائے کرام کے اقوال کا ہوا کرتا ہے، اس لیے علامہ کشمیری کی طرح ہمارا رجحان بھی مذکورہ صوفیائے کرام کی مندرجہ بالا تاویل کی طرف نہ ہو سکا۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

مقالات ومضامین

مفتی محمد رضوان

افادات وملفوظات

ہم عصریت کی وجہ سے اصحابِ کمال سے محرومی

(18-ربیع الاول-1444ھ)

’’ہم عصری‘‘اس زمانہ کے لوگوں کے لیے ایسا فتنہ اور آزمائش ہے کہ جس کی وجہ سے ہر زمانہ میں بہت سے لوگ انبیائے کرام اوران کے متبعین سے محروم رہے۔

اہلِ علم میں یہ مرض زیادہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے ہم عصر اصحابِ کمال کے فیض سے نہ صرف یہ کہ محروم رہتے ہیں، بلکہ وہ ان سے حسد وتحاسد بھی کرتے ہیں،ہم عصری ان کے کمال پر پردہ ڈال دیتی ہے،اوران کے عیوب کو مستحضر کرنے کا سبب بنتی ہے،پھر جب وہ اصحابِ کمال دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں،تو ان کی کمزوریوں کو نظر انداز کر کے ان تعریف وتوصیف کے گن گائے جانے لگتے ہیں،لیکن زندگی میں ان کی عقیدت ومحبت کے نتیجہ میں جو ان کی صحبت اور عقیدت سے فیض حاصل کیا جاسکتا تھا،اس سے محرومی لازم آتی ہے،جس کا فوت ہونے کے بعد حاصل کرنا مشکل ہے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

وكثير من الناس من تحرى هذه البلية الشنعاء ، فتراهم اذا سمعوا شيئا من النكت الحسنة غير معزو الى معين استحسنوه، بناء على انه للمتقدمين، فاذا علموا انه لبعض ابناء عصرهم، نكصوا على الاعقاب واستقبحوه، او ادعوا ان صدور ذلك عن عصرى مستبعد، وما الحامل لذلك الا حسد ذميم ، انتهى.

ويعجبنى فى هذا قول خير الدين الرملى استاذ صاحب ’’الدر المختار‘‘:

قل لمن ير المعاصر شيئا ويرى للاوائل التقديما

ان ذاك القديم كان حديثا وسيبقى هذا الحديث قديما (النافع الكبير شرح الجامع الصغير‘‘، صفحة ٣٠،مقدمة ،الفصل الاول،مطبوعة:ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراتشى)

ترجمہ:اور بہت سے لوگ اس قوی ترین بلا میں گرفتار ہیں کہ آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ

www.idaraghufran.org

جب وہ کوئی عمدہ بات سنتے ہیں، جس کی کسی متعین ومخصوص شخص کی طرف نسبت نہیں ہوتی، تو وہ اس کو اچھا سمجھتے ہیں، یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ متقدمین کی بات ہے، پھر جب انہیں یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ تو ان کے اہلِ عصر کی بات ہے، تو وہ ایڑیوں کے بل پھر جاتے ہیں، اور اس کو برا سمجھتے ہیں، یا یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس بات کا ہمارے معاصر سے صادر ہونا مستبعد ہے، اور ان کو اس بات پر ابھارنے والا صرف برا حسد ہی ہوتا ہے۔ اور مجھے اس سلسلہ میں صاحبِ درِمختار کے استاذ خیرالدین رملی کے یہ اشعار پسند آئے (جن کا ترجمہ یہ ہے):

''ایسے افراد بہت کم ہیں، جو اپنے معاصر کو کوئی اہمیت دیتے ہیں، اور وہ اس کے مقابلہ میں پہلے لوگوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، حالانکہ وہ قدیم بھی پہلے جدید تھا، اور یہ جدید آئندہ چل کر قدیم ہوجائے گا'' (النافع الکبیر)

اور مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی فرماتے ہیں:

اپنے زمانہ کی سطح سے بلند ہونا ایک نعمتِ خداداد اور ایک قابلِ رشک کمال ہے، مگر اس کمال کی صاحبِ کمال کو بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، وہ صاحبِ کمال اپنے معاصرین کی طرف سے ایک مسلسل ابتلاء اور آزمائش میں رہتا ہے، اور وہ معاصرین اس صاحبِ کمال کی طرف سے زندگی بھر ایک مصیبت اور زحمت میں مبتلا رہتے ہیں

(تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ دوم، ص۱۴۸، باب پنجم، بعنوان ''مخالفت کے اسباب اور ان کے ناقدین ومدافعین''، مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام، کراچی)

انبیائے کرام صلی اللہ علیہم وسلم کی تکفیر کا ایک سبب بھی یہی ہم عصری تھا، وہ انبیائے کرام کو اپنے درمیان رہنے سہنے اور کھانے پینے اور دوسرے بشری تقاضوں کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ یہ تو ہماری طرح کا انسان ہے، پھر ہم اس کی بات کو کیوں قبول کریں۔

قرآن مجید کی سورہ مومنون میں ایک نبی پر اعتراض کرنے والوں کا اس طرح ذکر کیا گیا کہ:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ . وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (سورۃ المؤمنون، رقم الآیۃ ۳۳، و ۳۴)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: نہیں ہے یہ مگر بشر تمہارا جیسا، جو کھاتا ہے، ان ہی چیزوں میں سے، جن سے تم کھاتے ہو، اور پیتا ہے ان چیزوں میں سے جن سے تم پیتے ہو، اور اگر اطاعت کروگے تم اپنے جیسے انسان کی، تو بے شک اس صورت میں تم یقینی طور پر خسارہ پانے والے ہوجاؤ گے (سورہ مومنون)

اور سورہ فرقان میں اس ''ہم عصری'' کے فتنہ کے متعلق فرمایا گیا کہ:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا .اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (سورة الفرقان،رقم آلآية ٧،و٨)

ترجمہ: اور کہا انہوں نے کہ کیا ہوا، اس رسول کو کہ کھاتا ہے وہ کھانا، اور چلتا ہے وہ بازاروں میں، کیوں نہیں نازل کیا گیا اس کی طرف فرشتہ کو، جو ہوتا، اس کے ساتھ ڈرانے والا۔ یا ڈال دیا جاتا، اس کی طرف خزانہ، یا ہوتا، اس کے لئے باغ، جس سے کھاتا وہ، اور کہا ظالموں نے کہ نہیں اتباع کرتے تم، مگر ایسے آدمی کی جو سحر زدہ ہے (سورہ فرقان)

اور سورہ فرقان میں ہی ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے اعتراضوں کے جواب میں فرمایا کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً (سورة الفرقان،رقم آلآية ٢٠)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو، مگر وہ یقیناً کھانا بھی کھاتے تھے، اور چلتے تھے وہ بازاروں میں، اور بنادیا ہم نے تمہارے بعض کو بعض کے لئے ''فتنہ'' (وآزمائش) (سورہ فرقان)

اس طرح ''ہم عصری'' کی آزمائش وفتنہ سے دوچار ہونے والے لوگ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات وہدایات سے محروم رہے، اور ہر زمانہ کے بہت سے ہم عصر بھی اسی وجہ سے اپنے ہم عصر اصحاب کمال کے فیض سے محروم رہے، آج کے دور میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں، جس کی ایک اہم وجہ اپنے معاصر سے حسد وتحاسد کا ہونا ہے، انسان طبعی طور پر یہ نہیں چاہتا کہ اس کی موجودگی میں اس کے معاصر کو زیادہ قبولیت حاصل ہو، اس لئے وہ اپنے صاحبِ کمال معاصر کی کمزوریوں کی جستجو میں مشغول ہوجاتا ہے، اور زندگی بھر اس کے عظیم ونمایاں کارناموں کو نظر انداز کرتا رہتا ہے۔

www.idaraghufran.org

علم کے مینار (امت کے علماء وفقہاء: قسط33) مفتی غلام بلال

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف (گیارہواں حصہ)

(گزشتہ سے پیوستہ) ماقبل میں موطأ امام مالک کے راویین اور ان کی شروحات سے متعلق قدرِ مفصل ذکر گزر چکا، نیز اسی ضمن حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''بستانُ المحدثین'' میں فرماتے ہیں کہ:

''اس زمانہ میں چاروں اماموں کی تصنیف میں سے موطأ کے سوا، علمِ حدیث میں اور کوئی تصنیف موجود نہیں (جو ان ائمہ ثلاثہ نے خود تالیف کی ہو، سوائے امام مالک کی موطأ کے) اور دوسرے اماموں کی مسانید جو عالَم میں مشہور ہیں، وہ امام خود ان کی تصنیف میں مشغول نہیں ہوئے، بلکہ دوسرے اشخاص نے جو ان کے بعد میں آئے ہیں، ان کی مرویات کو جمع کر کے مسند فلاں نام رکھ دیا، اور یہ بات ہر عقلمند جانتا ہے کہ کسی شخص کی مرویات میں اس وقت تک رطب و یابس یعنی صحیح وضعیف کا مجموعہ رہتے ہیں، جب تک وہ شخص جس کی بزرگی وفضیلت کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں، خود اس مخلوط کو چند دفعہ گہری نظروں سے مطالعہ کر کے متمیز نہ کر دے، اور جب تک وہ اپنے شاگردوں کو تعلیم نہ کرے'' (بستان المحدثین، ملخصاً، ۷۲)

اور جیسا کہ ماقبل میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ موطأ امام مالک حدیث کی کتاب بھی ہے اور فقہ کی کتاب بھی، اور اس پر مزید یہ کہ موطأ امام مالک کی اہمیت کا اندازہ اس سے بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے الفاظ میں چاروں فقہاء کے فقہی اجتہادات کی جڑ اور بنیاد موطأ امام مالک میں ملتی ہے، شاہ صاحب مزید یہ بھی فرماتے ہیں کہ موطأ امام مالک میں جو فقہی آراء اور اجتہادات پر مبنی ذخیرہ موجود ہے، وہ سارے کا سارا بنیادی طور پر حضرت عمر بن خطاب اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے اجتہادات پر مبنی ہے، اور انہی دونوں صحابہ کرام کے اجتہادات کی بنیاد پر چاروں فقہیں مرتب ہوئی ہیں، اور چونکہ ان کے اجتہادات کو امام مالک

نے اپنی اس کتاب میں سمویا ہے، اس لیے چاروں فقہی مسالک کی جڑیں بالواسطہ، یا بلاواسطہ موطأ امام مالک میں موجود ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ موطأ امام مالک بلا اختلافِ مسلک، ہر فقہ میں مقبول ہے، اور تمام بڑے بڑے فقہی مسالک کے فقہاء موطأ امام مالک میں دستیاب مواد اور دلائل سے استناد کرتے ہیں، ان اسباب کی بنیاد پر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر موطأ امام مالک کو درسِ حدیث کی بنیاد بنایا جائے، تو فقہی مسالک میں جو اختلاف ہے، اس کو کم کیا جاسکتا ہے۔ [1]

اور یہ بات بڑی حد تک درست ہے کہ اگر موطأ امام مالک کو درسِ حدیث کی بنیاد بنایا جائے، تو تمام فقہی مسالک کو ایک دوسرے کے قریب لایا جاسکتا ہے، مزید یہ کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کو کئی بار تبادلۂ خیال کا موقع ملا، دونوں نے ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھا، پھر امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں امام محمد جو فقہ حنفی کے ناشر و ترجمان اور مرتب بھی ہیں، وہ امام مالک کے بھی براہِ راست شاگرد ہیں، امام مالک کے اثرات ان کی کتابوں کے ذریعے فقہائے احناف تک پہنچے ہیں (جیسا کہ ''الموطأ، روایة محمد بن الحسن'' میں)۔

پھر امام شافعی براہِ راست اور بیک وقت امام مالک کے بھی شاگرد ہیں، اور امام محمد کے بھی، دوسری طرف امام ابو یوسف نے امام مالک سے بھی کسبِ فیض کیا، اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے امام ابو یوسف اور امام محمد نے مشہور مالکی فقیہ اسد بن فرات سے بھی موطأ امام مالک کا سماع حاصل کیا، پھر امام احمد حنبل براہِ راست امام شافعی کے شاگرد ہیں، اس طرح سے امام مالک کی ذات ایسی ہے کہ ان سے چاروں بڑے فقہی مسالک کا واسطہ رہا، اور یہ سب آ کر کسی نہ کسی طرح سے ان کی ذات پر جمع ہوگئے۔

یوں موطأ امام مالک کی اہمیت حدیث کی کتاب کے اعتبار سے تو ہے ہی، لیکن فقہ کی کتاب کے اعتبار سے بھی اس کی ایک منفرد حیثیت اور اہمیت ہے کہ اس میں اکابر صحابہ اور تابعین کے ساتھ

---

[1] شاہ صاحب رحمہ اللہ کے یہ افکار، ان کی تالیف کردہ ''موطأ امام مالک'' کی شروحات بزبانِ فارسی ''مصفیٰ فی احادیث الموطأ'' اور بزبانِ عربی ''المسوىٰ من احادیث الموطأ'' دونوں میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

www.idaraghufran.org

ساتھ امام مالک کے اپنے اجتہادات بھی موجود ہیں، اور اس اعتبار سے بھی کہ یہ وہ کتاب ہے، جس سے بالواسطہ، یا بلاواسطہ تمام مسالک کے لوگوں نے کسبِ فیض کیا ہے، اور تقریباً موطأ امام مالک تمام فقہی مسالک میں پڑھائی جاتی ہے (ماخوذ از محاضرات فقہ، ملخصاً، ڈاکٹر محمود احمد غازی، ص ۴۹۶)

موطأ امام مالک کے ساتھ ساتھ فقہ مالکی کی ایک اور کتاب، جو کہ مالکی فقہ کی اساس کی حیثیت رکھتی ہے، وہ کتاب ''المدوّنہ'' ہے، جو کہ مشہور مالکی فقیہ ''عبدالسلام بن سعید سحنون'' کی تالیف کردہ ہے، ذیل میں اس مشہور اور نامور مالکی فقیہ کا مختصر تعارف اور ان کی خدمات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(10)..... سحنون، عبدالسلام بن سعید التنوخی

شیخ ''عبدالسلام بن سعید سحنون التنوخی'' رحمہ اللہ فقہ مالکی کے مشہور عالم وفقیہ اور اونچے درجے کے علماء و بزرگ میں سے شمار کیے جاتے ہیں، ''أبو سعید'' کنیت اور پورا نام ''عبدالسلام بن سعید بن حبیب التنوخی'' تھا، اپنے مضبوط حافظے اور تیز دماغی کی وجہ سے ''سحنون'' (ایک قسم کے تیز پرندے کا نام) کے لقب سے زیادہ مشہور ہوئے، اور اسی لقب جانے جاتے ہیں۔ موجودہ تیونس (Tunisia) کے مشہور شہر قیروان (Kairouan) سے تعلق رکھنے والے تھے، والد شام کے شہر حمص کے میں ایک فوجی افسر تھے، ان کا تعلق عرب کے قبیلہ ''تنوخ'' سے تھا، دینی علوم کی ابتداء مشہور مالکی فقیہ ومفتی ''علی بن زیاد طرابلسی تیونسی'' (متوفی: 183ھ) سے کی، کیونکہ اُن دنوں تیونس میں علی بن زیاد کے حلقۂ درس کی طرف ہی زیادہ رجوع کیا جاتا تھا، اس لیے آپ نے بھی اُن سے علم حدیث وفقہ کی تحصیل کی۔

شیخ عبدالسلام بن سعید سحنون کی ایسی عمر تھی کہ آپ امام مالک رحمہ اللہ کی وفات سے قبل ان سے مل سکتے تھے، لیکن قلتِ معاش وروزگار اور مالی وسائل کی کمی کی وجہ سے مدینہ تک سفر نہ کر سکے، اسی لیے امام مالک کے کبار تلامذہ و اصحاب ابن القاسم، ابنِ وہب، اشہب، عبداللہ بن الحکم اور ابن الماجشون سے سماعت کرنے پر صبر کیا، جس کا آپ کو بہت افسوس رہتا تھا، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ ''اللہ فقر وفاقہ کو برباد فرمائے، ہم نے مالک کے زمانہ کو پایا، مگر سماعت ابن القاسم سے کی۔ [1]

[1] وكان يقول قبح الله الفقر، أدركنا مالكاً وقرأنا على ابن القاسم (وفيات الاعيان، ج۳، ص ۱۸۰)

www.idaraghufran.org

تحصیلِ علم

ابتدائی تعلیم طرابلس، قیروان اور تیونس کے علماء سے حاصل کرنے کے بعد 178 ہجری میں آپ نے امام مالک کے دوسرے شاگردوں سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے مصر کا سفر کیا، مالی وسائل نہ ہونے کی وجہ سے آپ مدینہ کا سفر نہ کر سکے، مگر مصر میں رہ کر ہی آپ نے امام مالک کے اصحاب وتلامذہ سے علم حاصل کرنے کا ارادہ کیا، مصر میں اس وقت عبداللہ بن وہب، اشہب بن عبدالعزیز اور عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہم اللہ فقہ مالکی کے علمبردار تھے، اور یہ تینوں امام مالک رحمہ اللہ کے ایسے جلیل القدر تلامذہ تھے کہ جن کا احترام امام مالک کے تمام شاگرد کرتے تھے، چنانچہ مصر آمد کے بعد باری باری ان حضرات کے حلقہ درس میں شریک ہوتے، اس دوران امام مالک رحمہ اللہ کی مدینہ میں وفات ہوگئی، بعض مالکی اصحاب فرماتے ہیں کہ امام مالک کی وفات کے بعد آپ نے مدینہ کا سفر بھی کیا، اور دیگر ممتاز علماء سے علمی استفادہ کیا۔ چنانچہ جب آپ نے خوب علم حاصل کرلیا، تو واپس مغرب کی طرف لوٹے، وہاں علم کی ریاست ان پر مسلم ہوئی، ان کے قول پر فیصلے ہونے لگے، مالکی مکتبہ فکر کی مشہور کتاب ''المدوّنہ'' کی تالیف کی، کہا جاتا ہے کہ آپ کے اتنے شاگرد اور ساتھی ہوئے ہیں، جتنے امام مالک کے شاگردوں میں سے کسی کے نہیں ہوئے (ترتیبُ المدارک، ج ۴، ص ۴۶، حرف الکنیٰ)

فقہ مالکی کی تدوین میں سب سے نمایاں کام ''سحنون'' نے ہی کیا ہے، اور فقہ مالکی کی مشہور کتاب ''المدونۃ'' کے مرتب یہی ''سحنون'' ہی ہیں، جس کی تفصیل ان شاءاللہ آئندہ آنے والی اقساط میں ذکر کی جائے گی۔ (جاری ہے.....)

تذکرۂ اولیاء حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ(قسط83) مولانا محمد ریحان

اولیاءِکرام اورسلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ریاستی گورنروں کی تقرری(قسط11)

گورنروں کے حقوق (چوتھا حصہ)

پہلے یہ بات گزر چکی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں کی مالی ضروریات کو پورا کیا کرتے تھے۔اسی ضمن میں بعض صحابہ کرام کے وظائف کا بھی ذکر ہوا تھا۔وہ وظائف مختلف نوعیت کے ہوا کرتے تھے۔کسی کے روزانہ،کسی کے ماہانہ اورکسی کے سالانہ ہوا کرتے تھے۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدائن پر گورنر تھے،آپ کے پانچ ہزار سالانہ درہم وظیفہ تھا۔یہ وظیفہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ضرورت کی بنسبت زیادہ تھا،مگرحضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنے کھانے پینے کی ضرورت کے بقدر رکھ لیتے،باقی سب صدقہ کردیا کرتے تھے۔(سیر اعلام النبلاء)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں گورنروں کے وظائف مختلف تھے۔محض ضرورت کی بناء پرآپ رضی اللہ عنہ نے وظائف مقرر نہ کئے ہوئے تھے،بلکہ علاقہ کی نوعیت،مرتبہ اور کام کے اعتبار سے،اورفتوحات میں ان گورنروں کی سعی کو دیکھتے ہوئے وظائف کا تقرر ہوتا تھا۔اورضروری نہیں کہ دورِ حاضر میں بھی ،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کے حساب سے انہی وظائف کا تقرر کیا جائے،بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کے وقت کے حالات کے اعتبار سے آپ نے اپنے اجتہاد سے ان سب وظائف کا تقرر کیا تھا(الخراج لابی یوسف)

آپ رضی اللہ عنہ نے گورنروں کو وظائف دینا شروع کئے ،تو بعض گورنروں نے مسلمانوں کی ولایت اورامارت پر گورنری کے عوض وظیفہ لینے کو ناپسند کیا۔لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو وظیفہ لینے کی تلقین کی،اورایک گورنر کو کہا کہ میں نے تمہیں مسلمانوں کے علاقہ پر گورنر مامور کیا ہے،اورتم خود ہی اس کا وظیفہ لینے سے منع کررہے ہو؟ تو اس گورنر نے کہا کہ جی ہاں۔اس پر آپ رضی اللہ عنہ

www.idaraghufran.org

نے کہا کہ کیا وجہ ہے؟ تو اس پر اس گورنر نے کہا کہ میرے پاس گھوڑے ہیں، اور غلام بھی ہیں، یہ سب مجھے کافی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا وظیفہ مسلمانوں پر صدقہ ہو جائے۔ گورنر کی اس بات پر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسا نہ کرو، کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وظیفہ دیا کرتے تھے، جیسا آپ ارادہ کر رہے ہو، ویسا ہی ارادہ میں بھی کیا کرتا تھا۔ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کہا کرتے تھے کہ اس وظیفہ کو لے لو، پھر اگر خود سے صدقہ کرنا چاہو، تو کر دو۔ اس لیے کہ تمہارے پاس جو مال بغیر سوال کے آئے تو اسے لے لو، اور جو اس طرح نہ آئے، تو اپنے نفس کو اس کے پیچھے نہ لگاؤ۔ (الولایۃ علی البلدان)

اس سے معلوم ہوا کہ گورنروں کو ان کی گورنری کے عوض وظیفہ دینے کا امر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے جاری ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ ہر انسان کے ساتھ اس کی ضروریات وابستہ ہیں۔ بالفرض اگر کسی کی ضرورت نہ بھی ہو، تب بھی شیطان کسی بھی وقت انسان کے ذہن میں یہ بات ڈال سکتا ہے کہ تم محنت بغیر کسی معاوضہ کے کر رہے ہو۔ اس سے کام میں کوتاہی بھی واقع ہونے کے امکانات ہوتے ہیں۔ پھر دورِ حاضر میں بھی یہ طریقہ پروفیشنلزم میں شمار کیا جاتا ہے کہ انسان اپنی کسی بھی طرح کی محنت کا بدلہ قبول کرے، اس طرح کام لینے والا اور دینے والا دونوں پابند رہتے ہیں۔ کام لینے والا کام کی تاخیر یا کوتاہی پر سوال بھی کر سکتا ہے، اور کام دینے والا بھی اپنی ذمہ داری کا احساس کرتا ہے۔

پیارے بچو! مولانا محمد ریحان

میں اللہ کو کیسے مانوں؟

پیارے بچو! ایک آدمی تھا۔اس کے بال بڑے ہوگئے تھے۔اس کی داڑھی بھی بہت بڑی ہوگئی تھی۔اس نے سوچا کہ نائی کے پاس جایا جائے،اور بال کٹوائے جائیں۔یہ سوچتے ہوئے وہ گھر سے نکلا،اور قریب بازار میں ایک نائی کی دکان پر چلا گیا۔

نائی کی دکان میں داخل ہونے کے بعد کچھ دیر وہ بیٹھا اپنی باری کا انتظار کرتا رہا۔پھر جب اس کی باری آگئی،تو وہ جا کر بال کٹوانے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔پہلے تو نائی نے اس کے آگے ایک گول کپڑا کی گردن کے گرد گھما کر باندھ دیا۔پھر نائی نے اپنے دائیں ہاتھ سے قینچی اس طرح پکڑی کہ اس کے ہاتھ کا انگوٹھا قینچی کے ایک گول سوراخ میں تھا،اور ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی قینچی کے دوسرے سوراخ میں تھی۔

پھر دوسرے ہاتھ میں نائی نے ایک کنگھی پکڑی اور اس بندے کے بال کاٹنا شروع کر دیئے۔بال کاٹتے کاٹتے بندے کی اور نائی کی اچھی بات چیت ہوگئی۔

اچانک ہی دونوں کے درمیان اللہ کے ہونے یا نہ ہونے کی بحث چھڑ گئی۔نائی نے کہا:

"دیکھو بھائی! میرا خیال نہیں کہ خدا کا وجود ہے، جیسے آپ کہتے ہو۔"

اس بندے نے جواب دیا:"آپ ایسا کیوں سوچتے ہو؟"

نائی نے جواب دیتے ہوئے کہا:

"اس کا جواب تو بہت ہی آسان ہے۔آپ باہر جاؤ،اور باہر جا کر دیکھو اور محسوس کرو کہ خدا موجود نہیں ہے۔آپ خود ہی بتاؤ،اگر خدا موجود ہوتا،تو یہاں اتنے سارے لوگ بیمار ہوتے؟ کیا اتنے سارے بچے معذور ہوتے؟ اگر خدا موجود ہوتا،تو یہاں کسی قسم کا کوئی درد اور تکلیف نہ ہوتی۔"

وہ بندہ ایک لمحہ کے لیے رک گیا، اس نے کچھ سوچنا شروع کر دیا،اور ابھی کوئی جواب دینا

www.idaraghufran.org

مناسب نہ سمجھا۔

نائی چپ چاپ اس کے بال کاٹتا رہا،اور جب وہ اس کے بال کاٹ کر فارغ ہوگیا،تو اس نے ایک برش سے اس کے سر،منہ اور گردن پر لگے بالوں کو اچھی طرح صاف کیا۔بالوں کی صفائی کے وقت منہ پر برش پڑتے ہوئے،اس بندے کو بہت عجیب سا محسوس ہورہا تھا،اور اسی وجہ سے وہ اپنی آنکھیں زور سے بند کیے ہوئے تھا۔اس کے بعد نائی نے اس کے اوپر سے کپڑا اتارا۔پھر وہ بندہ پیسے دے کر باہر چلا گیا۔

جیسے ہی وہ نائی کی دکان سے باہر نکلا،تو اس نے روڈ پر ایک آدمی کو دیکھا۔اس آدمی کے لمبے لمبے بال تھے،وہ میلا کچیلا تھا،اس کی داڑھی بھی اتنی لمبی اور میلی تھی کہ اس کی داڑھی میں گنٹھیاں پڑی ہوئی تھیں۔ایسا دکھائی دیتا تھا کہ سالوں بیت گئے،اور اس نے اپنے بال نہ کٹوائے ہوں۔

پھر وہ بندہ دوبارہ نائی کی دکان میں آیا،اور اس نے نائی سے کہا:''پتا ہے،نائی کا کوئی وجود نہیں ہے۔''

''تم کیسے کہہ سکتے ہوں کہ نائی کا کوئی وجود نہیں؟ میں یہاں تمہارے سامنے موجود ہوں۔''نائی نے جلدی سے جواب دیا۔

''نہیں۔نائی موجود نہیں،کیونکہ اگر نائی موجود ہوتے،تو اس دنیا میں کوئی بھی ایسا بندہ موجود نہ ہوتا،جس کے بالوں کی سیٹینگ نہ ہوئی ہو،بالکل اس آدمی کی طرح جو روڈ پر جارہا تھا۔''اس بندے نے آرام سے جواب دیا۔

نائی نے جواب دیا:''نائی تو موجود ہیں،کیا ہے کہ کچھ لوگ نائیوں کے پاس نہیں آتے۔''

''بالکل''بندے نے اس کے جواب کی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔''یہی تو بات ہے کہ خدا موجود ہے،مگر لوگ اس کے پاس نہیں جاتے،اور اس کی تلاش نہیں کرتے،اسی وجہ سے دنیا میں بہت زیادہ دکھ اور تکلیفیں ہیں۔

پیارے بچو!جب انسان کسی چیز کی تلاش کرتا ہے،تو وہ ضرور اسے ملتی ہے۔اللہ کو بھی جب اس کی عبادت سے،اور اس کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق ڈھونڈو گے،تو اللہ ضرور مدد کرے گا۔

بزمِ خواتین (عورت کا تقدس اور حقوق نسواں کا فریب: قسط 72) مفتی طلحہ مدثر

ملازمت اور تجارت میں خواتین کے اختیارات (نواں حصہ)

معزز خواتین! اسلام نے کسبِ معاش اور روزی روٹی کی تمام تر ذمہ داری مرد پر عائد کی ہے، پھر اسی کے ساتھ اپنے گھر والوں، بیوی بچوں، والدین پر اپنا حلال مال خرچ کرنے کی ترغیب بھی دی ہے، اور اس کو باعثِ ثواب اور بہترین صدقہ قرار دیا ہے، تاکہ انسان کی فطرت میں موجود کنجوسی کے عنصر کی مخالفت کرنا، اور اس کو زیر کر کے اپنا مال خرچ کرنا قدرے آسان ہو سکے، خواتین کو جو یہ سہولت فراہم کی جارہی ہے، اس کے بدلے میں اسلام کا مطالبہ یہ ہے، آپ گھر کا بہتر طریقے سے نظم وضبط سنبھالیں، اپنی تمام تر صلاحیتیں بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت میں صرف کریں، کیونکہ اس کام کے لیے جس درجہ کی ہمت، حوصلہ، صبر اور برداشت کی ضرورت ہے، مرد اس درجہ کی صلاحیتوں کا مالک نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے مرد کو اس کام کے لیے موزوں نہیں سمجھا اس لیے اس کے ذمہ یہ کام نہیں سونپا، جو کام اس کے ذمہ لگایا، اس کے مطابق صلاحیتیں اسے عطا کیں۔

اب اگر کوئی خاتون اس پر بحث شروع کر دیں، کہ جب ہم کر سکتے ہیں، تو یہ کیوں نہیں کر سکتے، یا یہ کام ہمارے ہی ذمہ کیوں ہے، ان کے ذمہ کیوں نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ، تو اس بات کو سمجھنے کا آسان سا طریقہ ہے، اور وہ یہ کہ ہم اس دنیا میں ہمیشہ کے لیے رہنے نہیں آئے، یہ ہمارا مستقل ٹھکانہ اور منزل نہیں ہے، ہم یہاں ایک مسافر اور راہ گزر ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

”ما لی وللدنیا؟ ما مثلی ومثل الدنیا، إلا کراکب سار فی یوم صائف فاستظل تحت شجرة ساعة من نهار ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا“ (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۷۴۴)

ترجمہ: مجھے دنیا سے کیا لینا دینا! میری اور دنیا کی مثال تو بس ایسی ہے، کہ جیسے کوئی سوار گرم دن میں سفر کرے، اس دوران کچھ دیر کسی درخت کے نیچے سائے میں آرام کرے، پھر اپنی راہ لے اور اس کو چھوڑ دے (مسند احمد)

www.idaraghufran.org

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے،اگر فضیلت اور مقام کی بنیاد پر آسانیاں ملتی،تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں اس کے سب سے زیادہ حقدار تھے،لیکن چونکہ یہ دنیا منزل نہیں ہے،اسی لیے یہاں سفر کی طرح کے حالات ہیں، جہاں تمام سہولتیں اور آسائشیں دستیاب نہیں ہیں، بلکہ اکثر و بیشتر مشقتیں اور پریشانیاں ہیں، یہاں ہم سب بغیر کسی وجہ کے نہیں ہیں،اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ (سورة المنون١١٥)

ترجمہ: کیا تم نے یہ سمجھا تھا، کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے،اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے (مومنون)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى (سورة القيامة،٣٦)

ترجمہ: کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا (قیامۃ)

یعنی یہ ممکن نہیں ہے، کہ اللہ تعالیٰ انسان کو بے کار چھوڑ دیں، نہ کسی کام کا حکم دیں، نہ کسی کام سے منع کریں، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس دنیا کی پیدائش ایک بے کار عمل ہوتا،جبکہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے،اللہ تعالیٰ ہمیں پیدا کرنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (سورة الملک ٢)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے)جس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا،تاکہ تمہیں آزمائے، کہ تم میں سے کون اچھے اعمال کرنے والا ہے (ملک)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے،ہاں یہ ضرور ہے، کہ آزمائش کی نوعیت،قسم،طریقہ ہر ایک کے لیے جدا ہے،کسی کی آزمائش، پیسہ ہے،کسی کی غربت،کسی کی آزمائش اولاد ہے،کسی کی بے اولاد ہونا،کسی کی آزمائش عزت،رتبہ میں ہے،کسی کا بے وقعت اور اثر ورسوخ نہ ہونا آزمائش ہے،پھر اللہ تعالیٰ نے جیسی آزمائش دی ویسی صلاحیت بھی عطا فرمائی،مرد کی آزمائش فکرِ معاش ہے،اس کو طاقت زیادہ عطا کی ،اس کو ہمت حوصلہ عطا کیا ،تاکہ وہ باہر کی مشقت،گرمی سردی برداشت کرسکے،عورت کی آزمائش گھر میں رکھی بچوں میں رکھی تو اسے ممتا کی طاقت عطا کی،اور اسے دو نعمتوں صبر اور رحمت سے نوازا۔

www.idaraghufran.org

اب آزمائش تو سب کی ہے، ناانصافی تو تب ہوتی، جب صرف خواتین کی آزمائش ہوتی ہے، اور مردوں کے مزے ہوتے، ان کو آزمائش سے نہ گزرنا پڑتا، لیکن ایسا نہیں ہے، اب ان کی آزمائش آپ کے جیسی کیوں نہیں ہے، تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ کی مرضی میں ہے، مخلوق کو یہ حق حاصل نہیں ہے، کہ وہ خالق سے پوچھے کہ یہ کام کیوں کیا، اور یہ کیوں نہیں کیا؟

خیر بات یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو ایسی صلاحیت دی ہے، جو باہر کے کاموں کے لیے موزوں ہے، اسی لیے وہی کام اس کے سپرد کیا، خواتین کو ایسی صلاحیت دی، جو گھر کے کاموں کے لیے موزوں ہے، تو اسے گھر کی ذمہ داری سپرد کی، اب اگر کسی جگہ مرد اور خاتون میں سے کوئی اپنے حصے کی ذمہ داری پوری نہ کرے، تو دوسرا فرد اس کی مدد تو کرسکتا ہے، لیکن یہ اس کا اصل کام نہیں ہے ، آپ نے سنا ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے چھوٹے چھوٹے کام خود کر لیتے تھے، اس میں کبھی عار اور توہین محسوس نہیں فرماتے تھے، گھر والوں کی خدمت اور مدد بھی فرماتے تھے، یہ بہترین اخلاق ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مقصد یہ تھا، یہ اصل کا نہیں تھا، بلکہ یہ اعلیٰ ظرفی اور اعلیٰ اخلاق کی جھلک تھی، اسی کی اتباع میں مرد حضرات بھی گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹا سکتے ہیں، مدد کرسکتے ہیں، کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے، کہ گھر کی خواتین اس کو بنیاد بنا کر اپنی ذمہ داری پوری نہ کریں، اور مردوں سے مطالبہ شروع کریں، کہ گھر کے کام بھی آپ ہی دیکھیں، کیونکہ یہ ان کا اصل کام نہیں ہے، اگر کر دیں تو اعلیٰ اخلاق اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہونے کی وجہ سے ثواب ملے گا۔

www.idaraghufran.org

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

تکفیر بازی ومغالطاتِ سلفی کا جائزہ (قسط13)

چست گواہ کا سست مقدمہ، اور حضرت تھانوی کا ملفوظ

مغالطہ: .....اس کے بعد سلفی صاحب کے منصفانہ جائزہ کی پانچویں قسط ماہنامہ حق چار یار فروری۲۰۲۳ء کے شمارہ میں شائع ہوئی ہے، جو صفحہ نمبر۲۵، سے شروع ہو کر صفحہ نمبر۴۴ پر اختتام پذیر ہوئی ہے۔اس قسط کے شروع میں صفحہ نمبر۲۵ پر، سلفی صاحب نے یہ عنوان قائم کیا ہے:

''چُست گواہ کا سست مقدمہ'' (ماہنامہ حق چار یار، فروری۲۰۲۳ء صفحہ نمبر۲۵)

اور اس عنوان کے ضمن میں موصوف نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے ''مقالاتِ حکمت ومجادلاتِ معدلت'' کے ایک ملفوظ کو نقل کیا ہے۔

جوابِ مغالطہ: .....لیکن سلفی صاحب نے اپنی حسبِ عادت اس ملفوظ کے پہلے حصہ کو نقل نہیں کیا، تاکہ سلفی صاحب کو تکفیر کا شوق پورا کرنے میں سہولت حاصل رہے، حضرت تھانوی کا پورا ملفوظ اس طرح ہے:

''ایک شخص نے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ کہ علماء ''نصرانیہ'' سے نکاح کرنے کو تو جائز کہتے ہیں، اور ''رافضیہ'' سے نکاح کو بعضے حرام فرماتے ہیں، فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ''نصرانیہ'' اگرچہ مسلمان نہیں، لیکن وہ کسی نبی کی متبع اور اہلِ کتاب تو ہے، برخلاف ''رافضیہ'' کے کہ یہ اسلام کی حقانیت کا التزام کر کے بعض ضروریاتِ دین کے انکار سے مرتد ہوئی ہے، اس لیے اس کا حکم مرتدہ کا سا ہے'' (ملفوظات مقالات حکمت ومجادلات معدلت، ص۱۱۹، مجادلاتِ معدلت، متعلقہ حصہ دوم، ملفوظ نمبر۸، ناشر: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، جامعہ اشرفیہ، لاہور، سنِ طباعت: ذوالقعدۃ۱۳۹۷ھ، اکتوبر1977ء)

حضرت تھانوی نے یہ جواب، ایک شخص کے سوال کرنے پر دیا ہے، اور سوال میں یہ بات صاف طور پر مذکور ہے کہ ''رافضیہ سے نکاح کو بعضے حرام فرماتے ہیں''

www.idaraghufran.org

تو حضرت کا جواب بھی ان بعض علماء کے بیان کردہ حکم (یعنی بعض علماء کے رافضیہ سے نکاح کو حرام قرار دینے) کی علت کو بتلانے کی ضرورت پر مبنی ہے، خود سے حضرت نے رافضیہ کے مسلمان ہونے کی نفی اور مرتد ہونے کا حکم نہیں لگایا۔

جبکہ سلفی صاحب نے اس ملفوظ میں سے سوال کو حذف کر دیا، اور بعد کے ان الفاظ سے ملفوظ کے حصہ کو نقل کیا: ''نصرانیہ'' اگرچہ مسلمان نہیں۔الخ۔

حالانکہ اس طرح کے جواب میں سوال کی قیود کا ملحوظ ہونا طے شدہ قاعدہ ہے۔

(ملاحظہ ہو:الدر المختار مع رد المحتار ، ج ۳ ص ۸۵۱ ، کتاب الأیمان ، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک،البحر الرائق شرح کنز الدقائق ، ج ۶ ص ۲۲۶ ، کتاب الکفالة،غمز عیون البصائر ، ج ۱ ص ۴۳۵)

معلوم نہیں کہ موصوف ان علمی خیانتوں کا اپنے نامۂ اعمال میں اتنا بڑا ذخیرہ کس مقصد کے لئے کرنا چاہتے ہیں۔

اور ہم اس سلسلہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی آخری اصولی تحقیقِ خاص کو ترجیح دیتے ہیں، جو ۱۸ شعبان ۱۳۵۱ھ کو ''تشریحُ الجواب'' کے عنوان سے اس باب میں فرمائی، اور وہ امداد الفتاویٰ کی جلد نمبر ۴، صفحہ ۵۸۸، و ۵۸۹ میں موجود ہے، اور اس کی حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ''النور'' ص ۹، ربیع الاول ۱۳۵۲ھ میں بھی اشاعت فرمائی تھی، اور اس تشریح کو حکیم الامت کے فقہی ترجمان، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی ''وصول الافکار الیٰ اصول الأکفار'' میں اپنے اس مضمون کے بعد نقل کیا ہے، جس کا موصوف ذکر مذاکرہ کرنے کے لئے آمادہ نہیں۔ اور اگر ہم حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ وملفوظات سے اس مسئلہ سے متعلق عبارات کو نقل کرنے کا سلسلہ شروع کریں، تو شاید وہ بہت طویل ہو جائے۔

پس موصوف نے جو ''چُست گواہ کا سست مقدمہ'' کا عنوان قائم کیا ہے، اس عنوان کے وہ خود ہی مصداق ہیں۔

جملہ شیعہ وروافض کی طرف ''تحریفِ قرآن'' کی نسبت

مغالطہ: .....اس کے بعد ماہنامہ حق چار یار، فروری ۲۰۲۳ء کے اگلے صفحہ پر سلفی صاحب نے تعصب کے مرض کو سمجھنے، اور اس سے بچنے پر واویلا مچانے کی کوشش کی ہے، اور اس موقف کو خوامخواہ

www.idaraghufran.org

بلا دلیل اپنے پہلے اعتراض کی پہلی شق ''یعنی اثناء عشریوں کے تحریفِ قرآن کے قائل ہونے'' اور ''مدعی سست گواہ چست'' کے الزام کے ساتھ جوڑنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

اور ہمارے علمی و تحقیقی سلسلہ نمبر ۱۸ کے صفحہ نمبر ۴۸۵، سے صفحہ نمبر ۵۰۵ کا صرف حوالہ دے کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

''ان بیس عدد صفحات میں باقی تو بہت کچھ لکھا گیا ہے، مگر ہمارے سوال کی اس مندرجہ شق کا جواب دور دور تک نظر نہیں آتا'' (ماہنامہ حق چار یار، فروری ۲۰۲۳ء، صفحہ نمبر ۲۶)

جوابِ مغالطہ: ......حالانکہ سلفی صاحب کی نظر اتنی کمزور ہے کہ ان کو دور تو کیا، قریب ترین کی چیز بھی نظر نہیں آتی، اور جو اتفاق سے نظر آتی بھی ہے، اس سے بھی وہ آنکھیں بند کر کے خوابِ غفلت میں گم ہو جاتے ہیں، جس طرح اندھے کو ساون میں سب ہرا ہرا نظر آتا ہے۔

موصوف کی اس کوتاہ بینی کی وجہ سے اب ہم نے یہ ارادہ بھی کیا ہے کہ ''علمی و تحقیقی سلسلہ نمبر ۱۸'' کے اگلے ایڈیشن کے حواشی میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ سلفی صاحب کے مضمون کی ان خیانتوں کی متعلقہ مقامات پر باحوالہ نشاندہی کی جائے گی، تاکہ سلفی صاحب کی ان خیانتوں سے ہماری تالیف کے قارئین آگاہ رہیں۔

اس موقع پر ہم نے موصوف کے مندرجہ بالا اعتراض کا جواب دیتے ہوئے جو کچھ بیس صفحات پر تحریر کیا ہے، اس پوری تفصیل کے بجائے، ہم نے بالکل شروع میں جو کچھ تحریر کیا تھا، ہم صرف اس کو نقل کرنا موصوف کی کوتاہ نظری کی نشاندہی کے لئے کافی سمجھتے ہیں، جو درجِ ذیل ہے:

اس کے بعد موصوف (یعنی سلفی) تحریر فرماتے ہیں:

''آنجناب نے اثنا عشریوں کو تحریفِ قرآنِ مجید کے قائلین میں سے خارج کر کے ''مدعی سست گواہ چست'' ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے''۔انتھٰی۔

موصوف (یعنی سلفی) نے مذکورہ عبارت میں بندہ کی طرف جو الزام عائد کیا ہے، بندہ کا یہ موقف، ہرگز نہیں، بندہ کے مضمون میں بندہ کے موقف کا یہ نتیجہ صاف طور پر یہ مذکور ہے کہ: ''تحریفِ قرآن'' کا عقیدہ، بعض شیعہ ''امامیہ'' کا ہے، نہ تو تمام شیعوں کا ہے، اور نہ ہی تمام ''شیعہ اثنا عشریہ'' کا یہ عقیدہ ہے''۔

www.idaraghufran.org

اب اگر موصوف نے بندہ کے موقف کے نتیجہ کو صحیح طرح سمجھا نہ ہو، تو انہیں دوبارہ ملاحظہ کر کے سمجھ لینا چاہیے، اور اس کے بعد ان کو یہ واضح کرنا چاہیے کہ: ’’اُن کے نزدیک ’’تحریفِ قرآن‘‘ کا عقیدہ، بعض شیعہ کے بجائے، تمام شیعوں کا، یا تمام ’’امامیہ‘‘ کا، یا تمام ’’اثناعشریوں‘‘ کا ہے‘‘۔

پھر ان تمام شیعوں، یا اس فرقے سے تعلق رکھنے اور دنیا جہان کے کونے کونے میں بسنے والے تمام شیعوں سے تحریفِ قرآن کا ثبوت پیش کرنا چاہیے، پھر اس کے بعد اگلے مرحلے میں ان کے مختلف علماء کی اُن تحریروں اور تقریروں کا جواب دینا چاہیے، جن میں انہوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے، یا اس سے برائت ظاہر کی ہے۔

اسی کے ساتھ شیعوں کے نزدیک تحریفِ قرآن کے معنیٰ اور اس کی اقسام وانواع کو بھی، ان کے حوالے سے نقل کرنا چاہیے، تاکہ ان کی روشنی میں تکفیر کا جائزہ لیا جاسکے، کیونکہ کسی مذہب وقوم کی مخصوص اصطلاح کو نظر انداز کر کے اپنی، یا کسی دوسرے کی اصطلاح کے مطابق حکم لگانا درست نہیں، جیسا کہ علامہ ابنِ تیمیہ ودیگر اہلِ علم حضرات نے تصریح فرمائی ہے۔ ساتھ ہی موصوف کو یہ بھی واضح کرنا چاہئے کہ اگر کسی کتاب میں کوئی روایت مروی ہو، اور مؤلف ومصنف نے بحیثیتِ روایت کے ہی اس کو نقل کیا ہو، تو کیا اس کی وجہ سے اس مصنف ومؤلف کے عقیدہ کا بھی اس کے مطابق وموافق ہونا لازم آتا ہے؟ (علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۸، ص۴۸۵و۴۸۶)

ہمارے اس موقف کے صرف ایک حصہ کو نقل کر کے سلفی صاحب لکھتے ہیں:

’’موصوف نے یہاں رافضیت کی تین قسمیں بنائی ہیں، ایک بعض شیعہ، دوسری تمام شیعہ، اور تیسری اثناعشریہ‘‘ (ماہنامہ حق چاریار فروری ۲۰۲۳ء صفحہ نمبر ۲۷)

موصوف کے اس جملہ سے معلوم ہوا کہ وہ نہ تو رافضیت، اور شیعیت کی اصطلاح سے واقف ہیں، اور نہ ہی ہمارے موقف کو سمجھنے کی استعداد رکھتے ہیں، جبکہ ہم نے پہلے ہی اپنا موقف ان الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ ’’تحریفِ قرآن‘‘ کا عقیدہ، بعض شیعہ ’’امامیہ‘‘ ہے، نہ تو تمام شیعوں کا ہے، اور نہ ہی تمام ''شیعہ اثناعشریہ '' کا یہ عقیدہ ہے‘‘

www.idaraghufran.org

اگر سلفی صاحب کو ہمارے اس موقف پر اطمینان نہیں، تو ہم اہلُ السنۃ والجماعۃ کے عظیم ترجمان ابوالحسن اشعری کی تصریح ذکر کردیتے ہیں، وہ ''مقالاتُ الاسلامیین'' میں فرماتے ہیں کہ:

''روافض'' کا قرآن میں زیادتی ہونے، یا کمی ہونے ہونے کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ روافض کا ایک فرقہ صرف نقص کا قائل ہے، زیادتی کا قائل نہیں۔

اور ''روافض'' کا دوسرا فرقہ زیادتی کے جواز اور نقص کے عدمِ جواز کا قائل ہے۔

اور ''روافض'' کا تیسرا فرقہ، جو اعتزال و امامت کا قائل ہے، وہ قرآن مجید میں نقص اور زیادتی، کسی چیز کا عقیدہ نہیں رکھتا، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کئے گئے قرآن مجید میں کسی تبدل وتغیر کا قائل نہیں، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کئے گئے قرآن کے اسی حالت پر برابر قائم رہنے کا قائل ہے''۔

(ملاحظہ ہو: مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين، ج ۱، ص ۵۵، مقالات الروافض، قول الروافض فی القرآن: هل زيد أو نقص منه؟)

جب روافض وامامیہ کا بھی مسئلہ تحریفِ قرآن میں اختلاف ہوا، تو پھر تمام شیعہ بشمول زیدیہ، یا تمام روافض، یا تمام امامیہ کا تحریفِ قرآن کے عقیدہ پر اتفاق کیسے ہوا، اور ہم نے جو اِن الفاظ میں دعویٰ کیا تھا کہ ''تحریفِ قرآن کا عقیدہ، بعض شیعہ امامیہ کا ہے، نہ تو تمام شیعوں کا ہے، اور نہ ہی تمام ''شیعہ اثنا عشریہ'' کا یہ عقیدہ ہے'' اس کا درست ہونا ثابت ہوا۔

اور مندرجہ بالا اور اس جیسے دیگر حوالہ جات میں ''روافض'' کا لفظ عام ہے، جس میں روافض کی طرف منسوب مختلف فرقے داخل ہیں، خاص اثنا عشریہ مراد نہیں، جیسا کہ خود ابوالحسن اشعری کی مذکورہ کتاب کی جا بجا تصریحات سے بھی ظاہر ہوتا ہے، جس میں انہوں نے روافض سے امامیہ کو مراد لیا ہے، اور ''غالیہ وزیدیہ'' کے مختلف نظریات کو الگ الگ بیان کیا ہے۔

جامعہ قطر کے ''کلیۃُ الشریعۃ'' اور ''دراساتِ اسلامیہ'' کے استاذِ مساعد ''دکتور معصب الخیر ادریس سید مصطفیٰ عبدالمتعال، جو اعتقاداً اشعری، اور، اور فقہاً شافعی، اور تصوف میں شاذلی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں، انہوں نے ''اہلِ تشیع'' اور بالخصوص ''اثنا عشریہ'' کی تاریخ اور ان کے عقائد وافکار پر نمایاں تحقیقات ومقالہ جات تحریر فرمائے ہیں، انہوں نے اپنے مضمون ''مقدماتُ النظر

www.idaraghufran.org

و دقیق الکلام ‘‘میں شیعہ اثناعشریہ کی طرف تحریفِ قرآن کے عقیدہ کی نسبت پر نہایت محققانہ کلام کیا ہے، اور جمہور اثناعشریہ کی طرف اس عقیدہ کی نسبت کی تردید کی ہے۔

اس مضمون میں سید مصطفیٰ عبدالمتعال نے ایک مقام پر لکھا کہ:

’’علامہ ابنِ حزم تو مغربِ اسلامی کے انتہائی کنارہ پر ہونے کی بناء پر قدیم وجدید امامیہ کی طرف تحریفِ قرآن کے عقیدہ کی نسبت کرنے پر معذور قرار دیے جاسکتے ہیں، لیکن علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب نے جو علمائے اثناعشریہ کی طرف سے تحریفِ قرآن کے برخلاف پے درپے تمام تر تفصیلات وتوضیحات سامنے آنے کے بعد، جملہ اثناعشریہ کی طرف اس عقیدہ کی نسبت کی، تو یہ زیادہ قابلِ تعجب امر ہے، بالخصوص جبکہ دنیا میں ہر جگہ سنی وشیعہ کے ہاتھ میں یہی ایک قرآن ہے، البتہ شیعہ کے اخباریہ کے بعض ارذل لوگ، جو فقہ، اور غور وفکر، اور قیاس سے اعراض کرتے ہوئے، ہر حدیث وخبر پر یقین رکھتے ہیں، وہ تحریفِ قرآن کی روایات پر یقین رکھتے ہیں، جس کی اثناعشریہ کے شیخ مفید نے بھی توضیح کی ہے۔

(ملاحظہ ہو: مقدمات النظر ودقیق الکلام، ص ۴۲۳، الاستدلال فی اصول الدین ، انواعه وصوره، الدلائل السمعية، القرآن الكريم ”دراسات في التشيع الإمامي في ضوء دعوى التقريب بين الفرق والمذاهب الإسلامية: ٢“ الناشر: المكتبة القدوسية، لاهور، الباكستان، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٨هـ، 2007م)

اس مسئلہ پر سلفی صاحب اوران کے ہم نوا لوگوں پر حجت قائم کرنے کے لئے ہم نے مزید مفصل ومدلل کلام اپنی دوسری تالیف ’’اہلِ تشیع کی تحقیق وتکفیر‘‘ میں کردیا ہے۔

پھر سلفی صاحب کی اس تقسیم، اور اس پر تبصرہ کو ہماری طرف منسوب کرنے کی کیا حیثیت ہے، جس کو انہوں نے ہماری طرف منسوب کیا ہے، اور اس میں بھی اپنی کوتاہ بینی کا مظاہرہ کیا ہے کہ ہم نے تو ’’بعض شیعہ‘‘ کا لفظ استعمال کیا تھا، لیکن موصوف نے رافضیت کی تین قسمیں بنانے کی ہماری طرف نسبت کردی اور پھر رافضیت کی قسموں میں شیعہ کی تین قسمیں اختراع کرلیں۔ جبکہ ’’شیعہ‘‘ کی اقسام ’’رافضیت‘‘ کی نہیں، بلکہ ’’رافضہ‘‘ دراصل ’’شیعت‘‘ کی اقسام میں سے ہیں۔ اور یہاں سرے سے شیعیت، یا رافضیت کی اقسام زیرِ بحث ہیں ہی نہیں، بلکہ ایک مخصوص عقیدہ کی بحث کی

www.idaraghufran.org

نسبت زیرِ بحث ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا منافقین کے بارے میں ارشاد ہے کہ:

وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ(سورة البقرة،رقم الآية ٧٦)

اس موقع پر اقسام کے بجائے ،ایک دوسرے کے ساتھ تبعیض کو بیان کرنا مقصود ہے،اور اس جملہ سے منافقین کی اقسام کو سمجھ لینا جہالت پر مبنی ہے۔اس طرح کے اور بھی بے شمار نظائر موجود ہیں۔

شیعہ ورافضہ میں فرق اور''طائفۂ منصورہ'' کے حوالہ پر کلام

مغالطه: ......اسی ضمن میں سلفی صاحب نے ایک مرتبہ پھر شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے ان کی تالیف''طائفہ منصورہ'' کی ایک عبارت کو بغیر سوچے سمجھے نقل کردیا ہے،چنانچہ سلفی صاحب لکھتے ہیں کہ:

شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب''طائفہ منصورہ'' میں ایک مقام پر''شیعہ محدثین'' کی اصطلاح کے تحت بحث فرمائی ہے،چونکہ طائفہ منصورہ نامی کتاب میں حضرت مرحوم نے اس جماعت کا تعارف پیش فرمایا ہے،جو بحوائے حدیث تاصبحِ قیامت حق پر گامزن رہے گی،اور اس سے مراد مقلدین ائمہ اربعہ مراد لئے ہیں،مگر کتاب ہٰذا کے بعد کے ایڈیشنوں میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے بطور وضاحت ابتداءِ کتاب میں ایک صفحہ کا اضافہ فرمایا،اوراس میں لکھا:

''اس سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ شیعہ کا جو مفہوم اور تصور آج ہے،اوران کے جو نظریات وعقائد آج کے دور میں ہیں،حضراتِ محدثین کرام کے دور میں ایسے قطعاً نہ تھے۔اسی لئے ان کے ہاں شیعہ اور رافضی دو الگ الگ اصطلاحات تھیں،جو حضرات باقی تمام عقائد میں اہلِ سنت والجماعت سے متفق ہوں،اور صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہوں،توان کو متقدمین کی اصطلاح میں''شیعہ'' کہا جاتا تھا۔

ایسے حضرات کی نشاندہی حضراتِ محدثین کرام رحمہم اللہ نے ضرور کی ہے،اوران سے روایات بھی لی ہیں،اور جن کے عقائد باطل ہیں،مثلا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اماموں پر وحی کے نزول،قرآن کریم کی تحریف،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر،اور مسئلہ بداء وغیرہ کے قائل ہیں،ان کو رافضی کہا جاتا ہے۔

اور آج کے دور میں اپنے آپ کو شیعہ کہلوانے والے تمام رافضی ہی ہیں۔آج کے دور میں متقدمین کی اصطلاح والا شیعہ شاذ ونادر ہی(شاید) کوئی پایا جاتا ہو،اور پھر تقیہ کی چادر میں لپٹی ہوئی

www.idaraghufran.org

رافضیت میں متقدمین کی اصطلاح والا شیعہ آج کے دور میں چراغ لے کر ڈھونڈے سے بھی ملنا مشکل ہے،اس لئے جن شیعہ محدثین کا ذکر کیا گیا ہے،وہ متقدمین کی اصطلاح والے شیعہ تھے(ماہنامہ حق چاریار،فروری۲۰۲۳ء،صفحہ نمبر۲۸و۲۹)

جوابِ مغالطہ: .....اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ کی تالیف ''ارشاد الشیعہ'' کے حوالہ سے پہلے سلفی صاحب نے اسی قسم کا دعویٰ کیا تھا،جس پر ہم باحوالہ پہلے کلام کر چکے ہیں،جس کے ضمن میں یہ عبارت گذر چکی ہے کہ:

''متقدمینِ شیعہ میں بسا اوقات یہ عقیدہ بھی ہوتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں''

دوسری بات یہ ہے کہ محدثین کی طرف نسبت کر کے یہ کہنا کہ:

''جن کے عقائد باطل ہیں،مثلاً جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اماموں پر وحی کے نزول،قرآن کریم کی تحریف،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر،اور مسئلہ بداء وغیرہ کے قائل ہیں،ان کو رافضی کہا جاتا ہے''۔

یہ بات بھی محلِ کلام ہے،جن کو محدثین نے ''شیعہ'' سے ممتاز کرتے ہوئے ''رافضہ'' کہا ہے،ان کے عقائد ونظریات کو بھی انہوں نے اجمال،یا تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے،اور ان کی طرف سے بہت سے رواۃ کو ''شیعہ'' کے مقابلہ میں ''رافضہ'' قرار دینے کے باوجود ''تکفیر'' کیا جانا،تو بہت دور کی بات ہے،ان کی طرف سے متعدد رافضہ کی احادیثِ رسول کی سند کے باب میں ''تصدیق، توثیق وتحسین'' کی گئی ہے،اور کافر کی ''تصدیق،توثیق وتحسین'' کے کوئی معنیٰ نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ متقدمین کے بعد زمانوں کے جملہ،یا اکثر روافض کی طرف مندرجہ بالا باطل عقائد کی نسبت کرنا،اور پھر فقہائے اصولیین کی طرف سے بیان کردہ فرقوں،اور تاویلات کو نظر انداز کر کے ''التزامِ کفر'' کا حکم عائد کرنا بھی درست نہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ سلفی صاحب نے طائفہ منصورہ کی جو عبارت نقل کی ہے،اس کی اصل عبارت میں یہ الفاظ ہیں ''ان کو متقدمین کی اصطلاح میں ''شیعہ'' کہا جاتا ہے'' جبکہ سلفی صاحب نے یہ لکھا کہ ''ان کو متقدمین کی اصطلاح میں ''شیعہ'' کہا جاتا تھا''

www.idaraghufran.org

پانچویں بات یہ ہے کہ سلفی صاحب نے ''طائفہ منصورہ'' کتاب کا تعارف کراتے ہوئے جو کچھ لکھا، اس سلسلہ میں خود طائفۂ منصورہ کی شروع کی عبارت کو نقل نہیں کیا، تاکہ ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر مذاہب کا تعارف قارئین سے مخفی رہے۔

چنانچہ ''طائفۂ منصورہ'' کی اس موقع پر شروع کی عبارت یہ ہے:

''ایک ضروری وضاحت: طائفہ منصورہ میں اس پر بحث کی گئی ہے کہ اہلِ حدیث، کسی مکتبِ فکر کے لوگوں کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ اہلِ حدیث ان حضرات کو کہا جاتا ہے، جو حدیث کے حفظ وفہم اور اس کے اتباع وپیروی کے جذبہ سے سرشار ہوں، خواہ وہ فقہی طور پر کسی بھی مسلک کے پیروکار ہوں، اسی لئے مختلف مذاہب کے محدثین میں سے چند حضرات کا تعارف پیش کیا گیا ہے، حتیٰ کہ چند شیعہ محدثین کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے''۔الخ (طائفہ منصورہ ص۸، ایک ضروری وضاحت، مکتبہ: صفدریہ گوجرانوالہ، طبع ہشتم ۲۰۱۰ء)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ''طائفۂ منصورہ'' میں ''چند شیعہ محدثین کا ذکر بھی کیا گیا ہے''

چھٹی بات یہ ہے کہ سلفی صاحب کا محدثین کی اصطلاح کے بارے میں ایک دعویٰ پہلے بھی اسی قسم کا مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ کی تالیف ''ارشاد الشیعہ'' کے حوالہ سے گذر چکا ہے، نیز سلفی صاحب گذشتہ شمارہ وقسط میں بھی جو دعویٰ کر چکے، وہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے کہ:

''تحقیق کے مطابق متقدمین ومتاخرین کے نزدیک شیعہ کی تعریف میں نمایاں فرق ہے، اور متقدمین ومتاخرین کے مابین حدِ فاصل ۳۰۰ھ ہے'' (ماہنامہ حق چاریار، جنوری ۲۰۲۳ء، صفحہ نمبر ۳۹)

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ''طائفۂ منصورہ'' میں جن ''چند شیعہ محدثین کا ذکر کیا گیا ہے، ان کو بھی ملاحظہ کر لیا جائے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ ان میں کوئی محدث ایسا تو نہیں، جو حضراتِ محدثین کرام کی اصطلاح کے مطابق ''شیعہ'' کے بجائے ''رافضی'' ہو، اور اس کا تعلق تیسری صدی سے پہلے ہو، جس سے محدثین نے روایات کو لیا ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ سلفی صاحب کے اس طرح کے دعوے ''صریحُ البطلان'' ہیں، کیونکہ جس طرح تیسری صدی ہجری سے پہلے کے متعدد محدثین مخصوص اصطلاح کے مطابق ''شیعہ'' ہی

نہیں، بلکہ ''رافضی'' ہوئے ہیں،اسی طرح تیسری صدی ہجری کے بعد میں بھی متعدد محدثین ''رافضی''نہیں، بلکہ ''شیعہ'' ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا سرفراز صفدر صاحب رحمہ اللہ نے اپنی تالیف ''طائفہ منصورہ'' میں صفحہ نمبر ۴۰ پر ''میزانُ الاعتدال'' کے حوالہ سے اہلُ السنۃ کے مشہور ''محدث ابنِ جریج'' کے بارے میں نوے عورتوں سے متعہ کرنے کا ذکر کیا ہے۔اور ابنِ جریج کی ولادت پہلی صدی،اور وفاۃ دوسری صدی ہجری میں ہوئی،جن کو حافظ ذہبی نے ''امام،حافظ،شیخِ حرم،اور صاحب التصانیف،اور مکہ میں سب سے پہلے علم کو مدون کرنے والا قرار دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو:سیر أعلام النبلاء ،ج۶ ،ص ۳۲۵،و۳۳۳،الطبقۃ الخامسۃ من التابعین)

اس کے بعد ''طائفہ منصورہ'' کتاب کے مذکورہ صفحہ پر ہی حضرت موصوف نے ''شیعہ حضرات کے چند محدثین'' کا عنوان قائم کیا ہے۔پھر اس عنوان کے تحت میں موصوف نے جن شیعہ محدثین کا ذکر کیا ہے،مندرجہ بالا عنوان کے تحت حضرت موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''محمد بن عمر المعروف'' بابن الجعابی رحمہ اللہ(المتوفی ۳۵۵ھ) کو چار لاکھ حدیث یاد تھی،اور چھ لاکھ حدیث کا وہ مذاکرہ کرسکتے تھے۔امام ابوعلی الحافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے بغدادیوں میں ان سے بڑا حافظ کوئی نہیں دیکھا(تاریخِ بغداد،ج۳،ص۸۲)
>
> اور خطیب لکھتے ہیں کہ:
>
> **وکان احد الحفاظ الموجودین ومذهبه فی التشیع معروف**(ج ۳ ص ۲۶،تاریخ بغداد)
>
> وہ بڑے حفاظ میں تھے،اور مشہور شیعہ تھے۔
>
> ابوبکر بن دارم(المتوفی ۳۵۲ھ) کو علامہ ذہبی رحمہ اللہ''الحافظ،المسند ،اور محدث الکوفہ لکھتے ہیں،اور ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ وہ الشیعی تھے(تذکرہ ج۳،ص۹۴)
>
> ابومحمد الحسن بن احمد السبیعی (المتوفی ۳۷۱ھ)ان کو علامہ ذہبی رحمہ اللہ''العلامہ،اور الحافظ اور **من ائمة هٰذا الشان**،لکھتے ہیں،اور فرماتے ہیں''علی تشیع فیہ(تذکرہ ج۳،ص ۱۵۴)

www.idaraghufran.org

خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ، حافظ اور مکثر تھے (ایضاً ص ۱۵۴)

مذکورہ بالا تینوں محدثین تیسری صدی ہجری کے بعد کے شیعہ ہیں، جن کے متعلق مولانا سرفراز خان صفدر صاحب نے توثیق و تحسین بیان کی ہے۔

جہاں تک مولانا سرفراز صفدر صاحب کے ذکر کردہ مندرجہ بالا محدثین میں سے پہلے محدث، یعنی محمد بن عمر کا تعلق ہے، تو حافظ ذہبی نے ''محمد بن عمر المعروف'' بابن الجعابی کے جنازہ کے ساتھ رافضہ نوحہ خوان کے نوحہ کرنے کی تصریح نقل کی ہے۔

(ملاحظہ ہو:تاریخ الإسلام، ج۸، ص ۸۴، تحت الترجمة:محمد بن عمر بن محمد بن سلم، أبو بكر ابن الجعابى التميمى البغدادى)

اور جہاں تک مولانا سرفراز صفدر صاحب کے ذکر کردہ مندرجہ بالا محدثین میں سے دوسرے محدث ابوبکر بن دارم کا تعلق ہے، تو یہ امام حاکم کے شیخ ہیں۔ اور محدثِ کوفہ ہونے کی وجہ سے حنفیہ کی مستدل متعدد احادیث کے راوی ہیں، لیکن اسی کے ساتھ صحابۂ کرام کی شان میں طعن کے بھی مرتکب ہیں۔

(ملاحظہ ہو:طبقات الحفاظ، للسیوطی، ص ۳۶۳، الطبقة الثانية عشرة)

حافظ ذہبی نے ''تذکرة الحفاظ'' میں جہاں، مولانا سرفراز صفدر صاحب کے بقول، ان کو ''الحافظ، المسند، ومحدث الكوفه'' فرمایا ہے، اسی کے ساتھ صحابۂ کرام کی شان میں طعن کے جمع کرنے والا، اور ''كان يترفض'' کی تصریح بھی کی ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی تصریح کی ہے کہ ''المیزان'' میں ان کا برا تذکرہ بھی ہے، جس میں ''صحابہ پر تہمت'' کا بھی ذکر ہے۔

(ملاحظہ ہو:تذكرة الحفاظ، ج۳، ص ۶۷، الطبقة الثانية عشرة)

نیز حافظ ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء'' میں ابنِ ابی دارم کوفی کو ''امام، حافظ، فاضل، محدثِ کوفہ، اور شیعی فرمایا ہے، اور امام حاکم سے ان کا رافضی ہونا بیان کیا ہے، امام حاکم چونکہ ابنِ ابی دارم کوفی کے شاگرد ہیں، اس لئے ان کی رائے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔

اسی کے ساتھ محدثین سے ابنِ ابی دارم کوفی سے صحابہ کی طرف معاییب کی نسبت کا ذکر کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو:سير أعلام النبلاء، ج۱۵، ص ۵۷۷ و ۵۷۸)

اور حافظ ذہبی نے تاریخِ اسلام میں ابنِ ابی دارم کو صاف طور پر ''رافضی'' اور صحابہ کے معاییب کے بارے میں مناکیر کو روایت کرنے والا قرار دیا ہے۔

www.idaraghufran.org

(ملاحظہ ہو:تاریخ الإسلام، ج۸، ص ۴۰،الطبقة السادسة و الثلاثون)

جبکہ امام حاکم نے ابنِ ابی دارم سے بکثرت احادیث کوروایت کیا ہے،جن کی تصحیح بھی کی ہے،اور حافظ ذہبی نے بھی متعدد روایات میں موافقت کی ہے،دراں حالانکہ ان کی بعض روایات حنفیہ کے ہاں بڑی شہرت کی حامل،اور بعض حنفیہ کے مذہب کی مخصوص مستدل ہیں۔

(ملاحظہ ہو:المستدرک علی الصحیحین،للحاکم،رقم الحدیث ۲۲۴،ورقم الحدیث ۹۹۰،ورقم الحدیث ۱۱۰۲،ورقم الحدیث ۱۳۳۲،ورقم الحدیث ۱۷۲۶،ورقم الحدیث ۳۱۵۷)

اور جہاں تک مولانا سرفراز صفدر صاحب کے ذکر کردہ مندرجہ بالا محدثین میں سے تیسرے محدث ''ابومحمد حسن بن احمد سبیعی کوفی'' کا تعلق ہے،تو حافظ ذہبی نے ان کو رافضہ امامیہ کے شیخ مفید محمد بن محمد بن نعمان کا شیخ قرار دیا ہے،اوران کی عترتِ مطہرہ پر ایک تالیف ''**التبصرة فی فضیلة العترة المطهرة**'' کا بھی ذکر کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو:تذکرة الحفاظ، ج۳،ص ۱۰۸،تاریخ الإسلام ،ج۸،ص ۳۵۶،الطبقة الثامنة و الثلاثون)

اوران کو تشیع کے معاملہ میں ائمۂ نقل میں سے قرار دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو:سیر أعلام النبلاء ،ج۱۶،ص۲۹۷)

حضرت مولانا سرفراز صفدر صاحب رحمہ اللہ اپنی مذکورہ تالیف ''طائفہ منصورہ'' میں آگے لکھتے ہیں:

''ابنِ خراش (المتوفی ۲۸۳ھ) یہ الحافظ البارع اور الناقد تھے۔امام ابونعیم فرماتے ہیں کہ میں نے ابنِ خراش سے بڑا حافظِ حدیث نہیں دیکھا،معہٰذا وہ نہ صرف یہ کہ شیعہ تھے، بلکہ رافضی تھے اور انہوں نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے مثالب (یعنی معایب ،ناقل) پر کتاب لکھی تھی (تذکرة الحفاظ ج۲،ص۲۳۰)

ابوغسان (المتوفیٰ ۲۱۹) یہ **الحافظ** اور **الحجة** تھے،ثقہ اور ثبت ہونے کے علاوہ من ائمۃ المحدثین بھی تھے۔امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ وہ **شدید التشیع** تھے (تذکرہ، ج۱،ص۳۶۴)'' (طائفہ منصورہ ص۴۱،شیعہ حضرات کے چند محدثین،مکتبہ:صفدریہ،گوجرانوالہ،طبع ہشتم ۲۰۱۰ء)

ابنِ خراش کا رافضی ہونا، یہاں تک کہ ان کی طرف سے ''مثالبِ شیخین'' کی احادیث کو جمع کرنا بھی منقول ہے۔

www.idaraghufran.org

(ملاحظہ ہو:تاریخ الإسلام ،ج۶،ص۷۷۳،حرف العین)

اور حافظ ابنِ حجر نے ابنِ خراش کو''محدث، حافظ''اور''غلاۃِ شیعہ''اور''منسوب الی الرفض''قرار دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو:لسان المیزان لابن حجر، ج ۱ ص ۲۱۲، خطبة الأصل، فصل: ۷)

اوران کے''حافظِ زمانہ''اور''اطلاعِ کثیر''ہونے کے باوجود، ان کو''رافضی''اور''عقائد میں گمراہ''بھی کہا ہے۔

(ملاحظہ ہو:لسان المیزان، ج۵ ص ۱۵۰،تحت ترجمة"عبد الرحمن بن یوسف بن خراش الحافظ"، رقم الترجمة ۴۷۲۱)

''ابنِ خراش''سے ابوعوانہ، ابنِ عدی، ابونعیم اصبہانی، ابوشیخ اصبہانی، ابنِ بشران، خطیب بغدادی وغیرہ نے احادیث کو روایت کیا ہے۔

جہاں تک ابوغسان کا تعلق ہے، جن کو ابوداؤد نے شدید التشیع فرمایا ہے، تو ان سے بخاری، مسلم اور چاروں ائمہ نے احادیث کو روایت کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو:تاریخ الإسلام، ج۵، ص۴۵۶)

ابنِ سعد نے بھی ابوغسان کو''ثقة صدوقا متشیعا شدید التشیع''فرمایا ہے۔

(ملاحظہ ہو:الطبقات الکبری، ج۶، ص۴۰۴،الطبقة الثامنة،میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ج۳، ص۴۲۴)

اور شدید التشیع ہونے کا مطلب صرف اتنا نہیں کہ وہ حضرت عثمان پر حضرت علی کی تفضیل کے قائل ہوں، کیونکہ اس کو شدید التشیع سے تعبیر کیا جانا مشکل ہے۔

(ملاحظہ ہو:وفیات الأعیان وأنباء أبناء الزمان، ج۳، ص۱۱۰،لسان المیزان، ج۲، ص۶۴)

پھر اس کے بعد آگے حضرت مولانا سرفراز صفدر صاحب رحمہ اللہ اپنی مذکورہ تالیف''طائفہ منصورہ''میں لکھتے ہیں:

> عبیداللہ بن موسیٰ (المتوفی ۲۱۳ھ) یہ امام بخاری وغیرہ کے استاد ہیں، مگر بایں ہمہ امام ابوداود فرماتے ہیں:''کان شیعیا متحرقا''وہ جلا بھنا ہوا شیعہ تھا (طائفہ منصورہ ص۴۲، شیعہ حضرات کے چند محدثین، مکتبہ:صفدریہ گوجرانوالہ، طبع ہشتم ۲۰۱۰ء)

مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب نے''سنن ابی داؤد''کی شرح''بذل المجھود''میں''عبیداللہ بن موسیٰ''کے بارے میں فرمایا کہ:

www.idaraghufran.org

وقال يعقوب بن سفيان :شيعى، وإن قال قائل :رافضى لم أنكر عليه، وهو منكر الحديث، وقال الجوزجانى :وعبيد الله بن موسى أغلى وأسوأ مذهبا، وأروى للعجائب، وقال الحاكم :سمعت قاسم بن قاسم السيارى، سمعت أبا مسلم البغدادى الحافظ يقول :عبيد الله بن موسى من المتروكين، تركه أحمد لتشيعه.قال الساجى :صدوق، كان يفرط بالتشيع (بذل المجهود، ج ا ،ص ۵۳۶،باب صفة وضوء النبى)

علامہ ابنِ حجر نے بھی ''تھذیبُ التھذیب ''میں اسی طرح کی تفصیل ذکر کی ہے،اور''الزھرۃ'' کے حوالے سے امام بخاری کا ان سے 27احادیث کومتعدد مقامات پر روایت کرنے کا ذکر کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو:تھذیب التھذیب، ج۷،ص ۵۳،تابع حرف العین)

پھر حضرت مولانا سرفراز صفدر صاحب رحمہ اللہ اپنی مذکورہ تالیف میں چند شیعہ ورافضہ راویوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اگر ہم صرف ان حضرات کی فہرست بیان کرنا شروع کردیں،جو پایہ کے محدث اورحافظ الحدیث تھے،اور بایں ہمہ وہ شیعہ تھے،تواس کے لئے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں،اس لئے ہم نے تذکرۃ الحفاظ سے چند حضرات کے نام درج کردئے ہیں''وفیہ کفایۃ لمن لہ ھدایۃ ''(طائفہ منصورہ ص۴۲،شیعہ حضرات کے چند محدثین،مکتبہ:صفدریہ گوجرانوالہ،طبع ہشتم ۲۰۱۰ء)

ساتویں بات یہ ہے کہ تقیہ کا مسئلہ آج کے دور کا مسئلہ نہیں،اگر ظاہر کو نظر انداز کرکے''تقیہ کی چادر میں لپٹی ہوئی رافضیت'' کی بنیاد پر علی الاطلاق تکفیر کا حکم لگانا ضروری ہے،تو اس میں بعد کے زمانہ کے شیعہ ورافضہ کی کیا ضرورت ہے،سابق ادوار میں پائے جانے والے روافض پر بھی یہی حکم لگانا چاہیے،اوران تمام احادیث کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرادینا چاہیے،جو رافضی مذہب کے حاملین سے مروی ہیں کہ مبادا،انہوں نے''تقیہ کی چادر میں لپٹی ہوئی رافضیت'' کی بنیاد پر اپنے ناقابلِ تاویل کفریہ عقائد کو چھپالیا ہو۔

خلاصہ یہ کہ محدثین کی مخصوص اصطلاح کی بنیاد پر متقدمین کے بعد کے''شیعہ'' کی علی الاطلاق تکفیر کرنا،یا''مخصوص اصطلاحی شیعہ'' کے مقابلہ میں''مخصوص اصطلاحی رافضی'' کی علی الاطلاق تکفیر کرنا،خود محدثین کی تصریحات کے خلاف ہے۔ (جاری ہے............)

www.idaraghufran.org

کیا آپ جانتے ہیں؟ مفتی محمد رضوان

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

سات زمینوں کی مخصوص روایت اور متن پر کلام (قسط 1)

سوال:

سنا ہے کہ مستدرک حاکم میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سات آسمانوں کی طرح سے سات زمینیں بھی ہیں، جن میں سے ہر زمین میں تمہارے نبیوں کی طرح نبی ہیں، حضرت آدم، حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام، وغیرہ۔ اور اس روایت کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے۔ آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ اس روایت کی سند کیسی ہے، اور محققین اصحابِ علم کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ اور کیا ہمارا اس روایت کے مضمون کے مطابق عقیدہ رکھنا درست ہے؟

فقط۔ شیخ امجد، لالہ زار، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب:

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کا حوالہ

سب سے پہلے وہ روایت ملاحظہ فرمالیں، جس کے بارے میں آپ نے سوال کیا ہے۔

امام حاکم (المتوفی 405ھ) نے اپنی سند کے ساتھ ''**شریک**'' سے، انہوں نے ''**عطاء بن ابی سائب**'' سے، انہوں نے ''**ابو الضحیٰ**'' سے روایت کیا ہے کہ:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، أنه قال "اللّٰہُ الَّذِی خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ" قال: سبع أرضین فی کل أرض نبی کنبیکم وآدم کآدم، ونوح کنوح، وإبراهیم کإبراهیم، وعیسی کعیسی (مستدرک للحاکم، رقم الحدیث ۳۸۲۲)

ترجمہ: ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے (سورہ طلاق کی آیت)

"**اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَّمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ**"

کے بارے میں فرمایا کہ سات زمینیں ہیں، ہر زمین میں تمہارے نبی کی طرح کے نبی

www.idaraghufran.org

ہیں،اور آدم بھی ہیں،حضرت آدم علیہ السلام کی طرح کے،اور نوح بھی ہیں،حضرت نوح علیہ السلام کی طرح کے،اور ابراہیم بھی ہیں،حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح کے،اور عیسیٰ بھی ہیں،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح کے(حاکم)

امام حاکم اور حافظ ذہبی کا حوالہ

اس روایت کو امام حاکم نے سند کے اعتبار سے ''صحیح'' کہا ہے،اور حافظ ذہبی نے بھی امام حاکم کی موافقت میں اس روایت کو''صحیح'' کہا ہے۔[1]

تاہم ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے سات زمینوں کے متعلق اس کے علاوہ بھی روایات دوسرے مضمون کی مروی ہیں،پھر ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کو بعض حضرات نے سند کے اعتبار سے غیر صحیح،اور بعض حضرات نے شاذ،جبکہ بعض حضرات نے اس مضمون کو اسرائیلی روایت سے ماخوذ قرار دیا ہے،اور بعض نے دوسری تاویل کی ہے۔

امام احمد کا حوالہ

چنانچہ عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ مقدسی (المتوفیٰ :620ھ)نے،ابو بکر خَلَّال (المتوفیٰ: 311ھ)کے حوالہ سے،حضرت ابنِ عباس کی مذکورہ روایت کے بارے میں امام احمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

هذا رواه شعبة، عن عمرو بن مرة، عن أبي الضحى، عن ابن عباس، لا يذكر هذا، إنما يقول " :يتنزل العلم والأمر بينهن "، وعطاء بن السائب اختلط، وأنكر أبو عبد الله الحديث (المنتخب من علل الخلال ،ومعه تتمة،رقم الحديث٥٨، ج١،ص١٢٥)

ترجمہ:ابنِ عباس کی اس روایت کو شعبہ نے عمرو بن مرۃ سے انہوں نے ابنِ عباس سے روایت کیا ہے،جس میں اس (ہر زمین میں نبی ہونے کا) ذکر نہیں،اس میں تو صرف اس بات کا ذکر ہے کہ''علم اور حکمِ الٰہی ان کے درمیان،نازل ہوتا ہے''اور پہلی روایت کے راوی عطاء بن ابی سائب کو''اختلاط''ہو گیا تھا،اور ابو عبد اللہ(یعنی امام احمد) نے

[1] قال الحاكم:(هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه)
وقال الذهبي في التلخيص:(صحيح)

www.idaraghufran.org

اس (عطاء بن ابی سائب کی ابنِ عباس سے مروی) حدیث کا انکار کیا ہے (المنتخب)

امام احمد کے مذکورہ کلام سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح نہیں، کیونکہ اس میں ''عطاء بن ابی سائب'' ایسے راوی ہیں، جن کو عمر کے آخری حصہ میں ''اختلاط'' کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت

امام احمد کے مذکورہ کلام کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سورہ طلاق کی مذکورہ آیت کے ضمن میں سعید بن جبیر نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں آسمان کے زمین کے نیچے اور زمین کے آسمان کے اوپر، اور ایک دوسرے پر لپٹا ہوا ہونے کا ذکر ہے۔ [1]

لیکن اس روایت میں ہر زمین میں، انبیاء، یا انسانوں کے آباد ہونے کا ذکر نہیں۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی تیسری روایت

اس کے علاوہ ''مصنف ابنِ ابی شیبة'' میں سعید بن جبیر سے مروی ابنِ عباس کی ایک روایت میں یہ مضمون بھی مروی ہے کہ:

---

[1] ثنا محمد بن يحيى ، قال :ثنى عبد الله ، قال :ثنا الحسين ، قال :ثنا خطاب ، عن أبيه ، عن سعيد بن جبير ، قال :جاء رجل إلى ابن عباس ، فسأله عن قول الله :(الله الذى خلق سبع سماوات ومن الأرض مثلهن ما هو ؟ فسكت عنه ابن عباس حتى إذا وقف الناس ، قال له الرجل :ما يمنعك أن تجيبنى ؟ قال : وما يؤمنك أن لو أخبرتك أن تكفر ؟ قال :فأخبرنى فأخبره قال سماء تحت أرض وأرض فوق سماء مطويات بعضها فوق بعض يدور الأمر بينهن كما يدور بهذا الكردنا الذى عليه الغزل(طبقات المحدثين بأصبهان لأبى الشيخ الأصبهانى،رقم الحديث ١٥٣ ،الطبقة الرابعة)

حدثنا ابن الجارود ، حدثنا محمد بن عيسى الزجاج ، قال :حدثنا عامر بن إبراهيم ، عن الخطاب بن جعفر بن أبى المغيرة ، عن أبيه ، عن سعيد بن جبير ، عن ابن عباس رضى الله عنهما :أن رجلا أتاه فسأله عن هذه الآية :(الله الذى خلق سبع سموات ومن الأرض مثلهن يتنزل الأمر بينهن ، يسأله ثلاث مرات ، فلم يرد عليه شيئا ، حتى إذا خف عنه الناس ، قال له الرجل :ما يمنعك أن تجيبنى ؟ قال :ما يؤمنك إن أخبرتك أن تكفر ؟ قال :أخبرنى ، قال : سماء تحت أرض ، وأرض فوق سماء ، مطويات بعضها فوق بعض ، يدور الأمر بينهن ، كما يدور هذا الجردناب الذى يدور بالغزل عليه (العظمة،لأبِى الشيخ الأصبهانى،رقم الحديث ٢٥٢،ج ١،ص ٢٦٢،ذكر عرش الرب تبارك وتعالى وكرسيه، وعظم خلقهما، وعلو الرب تبارك وتعالى فوق عرشه)

www.idaraghufran.org

''یونس علیہ السلام کو نگلنے کے بعد مچھلی نے لے جا کر ساتویں زمین میں رکھ دیا تھا'' [1]

اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس روایت کو معتبر قرار دینے کی صورت میں ساتویں زمین اس ہماری زمین کے ساتھ متصل، اور اس کے تابع ہی قرار دی جاسکتی ہے، یعنی مثلاً جب سمندر کی کسی تہہ کو ساتویں زمین قرار دیا جائے، تب ہی ظاہری اسباب میں ساتویں زمین کو درست کہا جاسکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابنِ عباس سے اس بارے میں دوسرا مضمون بھی مروی ہے، جس کی وجہ سے ان کی طرف پہلی روایت کے مضمون کی نسبت کے مبنی بر اختلاط، شاذ، یا اسرائیلی روایت سے ماخوذ ہونے کا تصور تقویت کا باعث بن جاتا ہے۔

امام بیہقی کا حوالہ

جبکہ امام بیہقی (المتوفی 458 ہجری) نے اپنی تالیف ''الاسماء والصفات'' میں ابنِ عباس کی ''روایتِ مسئولہ'' کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ:

إسناد هذا عن ابن عباس رضى الله عنهما صحيح، وهو شاذ بمرة، لا أعلم لأبى الضحى عليه متابعا والله أعلم(الأسماء والصفات للبيهقى، تحت رقم الحديث ٨٣٢،باب بدء الخلق)

ترجمہ: اس روایت کی سند ابنِ عباس رضی اللہ عنہما تک صحیح ہے، لیکن یہ روایت ایک جہت سے ''شاذ'' ہے، میں نہیں جانتا کہ اس روایت پر ابو الضحی کے ساتھ کوئی اتباع کرنے والا دوسرا راوی موجود ہو۔ واللّٰہ اعلم (الاسماء والصفات)

حافظ ابنِ کثیر کا حوالہ

اور حافظ ابنِ کثیر (المتوفی 774 ہجری) نے ''البداية والنهاية'' میں فرمایا کہ:

وهكذا الأثر المروى عن ابن عباس أنه قال :فى كل أرض من الخلق مثل ما فى هذه حتى آدم كآدمكم وإبراهيم كإبراهيمكم فهذا ذكره ابن جرير مختصرا واستقصاه البيهقى فى الأسماء والصفات وهو محمول إن صح نقله عنه على أنه

[1] حدثنا أبو خالد الأحمر ، عن عبد الله بن مسلم ، عن سعيد بن جبير ، عن ابن عباس فى قوله تعالى : (فالتقمه الحوت) قال :لما التقمه ذهب به حتى وضعه فى الأرض السابعة فسمع الأرض تسبح ، قال : فهيجته على التسبيح ، فقال :(لا إله إلا أنت سبحانك إنى كنت من الظالمين) قال :فأخرجه حتى ألقاه على الأرض بلا شعر ، ولا ظفر مثل الصبى المنفوس ، فأنبت الله عليه شجرة تظله ، ويأكل من تحتها من حشرات الأرض ، فبينما هو نائم تحتها فتساقطت عليه ورقها قد يبست ، فشكا ذلك إلى ربه ، فقيل له : أتحزن على شجرة ، ولا تحزن على مئة ألف ، أو يزيدون يعذبون(مُصنف ابن أبى شيبة،رقم الحديث ٣٦٦٣٨،كتاب الزهد)

www.idaraghufran.org

أخذه ابن عباس رضي الله عنه عن الإسرائيليات (البداية والنهاية، ج ۱ ص ۲۲، فصل فيما ورد في صفة خلق العرش والكرسي، ما ورد في خلق السموات والأرض وما بينهما)

ترجمہ: اوراسی طرح کی روایت ابنِ عباس کی سند سے مروی ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ ہر زمین میں اس زمین کی طرح کی مخلوق ہے، یہاں تک کہ آدم بھی تمہارے آدم علیہ السلام کی طرح، اور ابراہیم بھی تمہارے ابراہیم علیہ السلام کی طرح کے ہیں۔

پس اس روایت کو ابنِ جریر طبری نے مختصراً ذکر کیا ہے، اور بیہقی نے اس کو "الاسماء والصفات" میں مکمل روایت کیا ہے، اور اگر یہ روایت ابنِ عباس سے صحیح ہو، تو یہ اس بات پر محمول ہے کہ اس روایت کو ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے اسرائیلی روایتوں سے لیا ہے (جن کی تصدیق نہیں کی جاسکتی) (البدایہ والنہایہ)

امام سخاوی کا حوالہ

اوراس روایت کی سند چونکہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک سند نہیں پہنچتی، اس لئے شمس الدین سخاوی (المتوفیٰ: 902ہجری) نے حافظ ابنِ کثیر کا مذکورہ کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ:

وذلک وأمثاله، إذا لم يخبر به ويصح سنده إلى معصوم فهو مردود على قائله (المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة، ص ۱۰۳، الباب الأول: حرف الهمزة، تحت رقم الحديث ۱۹)

ترجمہ: یہ اوراس طرح کی دوسری چیزوں کی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر نہ دی ہو، اور اس کی سند معصوم (نبی) تک صحیح نہ ہو، تو وہ اس کے قائل کی طرف ہی لوٹتی ہے (اس کو معصوم نبی کا قول نہیں سمجھنا چاہیے) (المقاصد الحسنۃ)

علامہ جلال الدین سیوطی کا حوالہ

اورعلامہ جلال الدین سیوطی (المتوفیٰ: 911ہجری) نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ:

هذا الحديث رواه الحاكم في المستدرک وقال: صحيح الإسناد، ورواه البيهقي في شعب الإيمان وقال: إسناده صحيح ولكنه شاذ بمرة، وهذا الكلام من البيهقي في غاية الحسن؛ فإنه لا يلزم من صحة الإسناد صحة المتن كما تقرر في علوم الحديث؛ لاحتمال أن يصح الإسناد ويكون في المتن شذوذ أو علة تمنع صحته، وإذا تبين ضعف الحديث أغنى ذلک عن تأويله؛ لأن مثل هذا

www.idaraghufran.org

المقام لا تقبل فيه الأحاديث الضعيفة، ويمكن أن يؤول على أن المراد بهم النذر الذين كانوا يبلغون الجن عن أنبياء البشر، ولا يبعد أن يسمى كل منهم باسم النبى الذى بلغ عنه(الحاوى للفتاوى، ج ا ،ص ۴۶۲،كتاب الأدب والرقائق،مسائل متفرقة)

ترجمہ:اس حدیث کوامام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے،اوراس کی سند کوصحیح کہا ہے،نیز اس کوامام بیہقی نے شعبُ الایمان میں روایت کرکے،اس کی سند کوصحیح اورشاذ کہا ہے۔اورامام بیہقی کا یہ کلام نہایت عمدہ ہے،کیونکہ کسی سند کے صحیح ہونے سے اس کے متن کا صحیح ہونالازم نہیں آتا،جیسا کہ''علوم حدیث''میں طے ہو چکا ہے،کیونکہ اس بات کا احتمال پایا جاتا ہے کہ سند تو صحیح ہو،لیکن متن میں''شذوذ''یا کوئی دوسری ایسی ''علت''موجود ہو،جو صحت کے لئے''مانع''ہو،اور جب اس کا ضعیف ہونا واضح ہوجائے،تو یہ اس کی تاویل سے بے نیاز کردیتا ہے،کیونکہ اس طرح کے مقام میں ضعیف احادیث کو قبول نہیں کیا جاتا۔اور یہ تاویل کیا جانا ممکن ہے کہ اس سے مراد ڈرانے(اورتبلیغ کرنے والے)وہ حضرات مراد ہیں،جو(زمینوں کے مختلف اطراف میں)جنات کوانبیائے بشر کی خبریں پہنچایا کرتے تھے،اور یہ بھی بعید نہیں کہ ان میں سے ہرایک کا نام اس نبی کے نام پر رکھا جاتا ہو،جس کی اس نے تبلیغ کی ہو(الحاوی)

علامہ انورشاہ کشمیری کا حوالہ

اورعلامہ انورشاہ کشمیری(المتوفی:1353ہجری)نے''بخاری کی شرح''میں فرمایا کہ:

قلت :وهذا الأثر شاذ بالمرة، والذى يجب علينا الايمان به هو ما ثبت عندنا عن النبى صلى الله عليه وسلم فإن ثبت قطعا أكفرنا منكره، وإلا نحكم عليه بالابتداع؛ وأما غير ذلك مما لم يثبت عنه صلى الله عليه وسلم فلا يلزمنا تسليمه والإيمان به، والذى أظنه أن هذا الأثر مركب من إبهام القرآن وتصريح الحديث، فقال القرآن :(مثلهن) وصرح الحديث بكونها سبعا، فتركب منه التفصيل المذكور فى الحديث .والظاهر أنه ليس بمرفوع، وإذا ظهر عندنا منشؤه، فلا ينبغى للإنسان أن يعجز نفسه فى شرحه، مع كونه شاذا بالمرة .

وقد ألف مولانا النانوتوى رسالة مستقلة فى شرح الأثر المذكور، سماها تحذير الناس عن إنكار أثر ابن عباس وحقق فيها أن خاتميته صلى الله عليه وسلم لا يخالف أن يكون خاتم آخر فى أرض أخرى، كما هو مذكور فى أثر ابن عباس . ويلوح من كلام مولانا النانوتوى أن يكون لكل أرض سماء أيضا، كما هو

لأرضنا. والذی یظهر من القرآن کون السموات السبع کلها لتلک الأریضة، لأن السبع موزعة علی الأرضین کذلک. والحاصل أنا إذا وجدنا الأثر المذکور شاذا، لا یتعلق به أمر من صلاتنا وصیامنا، ولا یتوقف علیه شیء من إیماننا، رأینا أن نترک شرحه(فیض الباری علی صحیح البخاری، ج۳، ص ۶۱۰، تحقیق فی طبقات الأرض)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ یہ روایت ایک حیثیت سے شاذ ہے، اور جس چیز پر ہمیں ایمان لانا ضروری ہے، وہ ہمارے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ چیز ہے، پھر اگر وہ قطعی طور پر ثابت ہو، تو ہم اس کے منکر کو کافر کہتے ہیں، ورنہ ہم اس پر بدعتی ہونے کا حکم لگاتے ہیں، اور جہاں تک ان کے علاوہ ان باتوں کا تعلق ہے کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، تو ہم پر ان کو تسلیم کرنا، اور ان پر ایمان لانا لازم نہیں، اور میرا گمان یہ ہے کہ یہ روایت قرآن مجید کے ابہام اور حدیث کی تصریح سے مرکب ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ''مثلهن'' کے الفاظ ہیں، اور حدیث میں سات زمینوں کی تصریح ہے، پس اس طرح اس روایت میں (مذکورہ اجتہاد کی بنیاد پر) یہ تفصیل مذکور ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ روایت مرفوع (حدیث) نہیں، اور جب ہمارے نزدیک اس روایت کا منشاء ظاہر ہوگیا (کہ وہ ابنِ عباس کا اپنا اجتہاد، یا) تو انسان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس کی شرح میں اپنے آپ کو کھپائے، باوجودیکہ یہ ایک جہت سے شاذ بھی ہے۔

اور مولانا نانوتوی نے اس مذکورہ روایت کی شرح میں ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے، جس کا نام ''تحذیر الناس عن انکار اثر ابنِ عباس'' ہے، اس رسالہ میں مولانا نانوتوی نے یہ بات ثابت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت اس بات کے مخالف نہیں کہ دوسری زمین میں بھی کوئی خاتم النبی ہو، جیسا کہ ابنِ عباس کی روایت میں مذکور ہے، اور مولانا نانوتوی کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک زمین کا آسمان بھی ہے، جس طرح ہماری زمین کا آسمان ہے۔ لیکن قرآن مجید سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ تمام ساتوں آسمان اسی زمین کے لئے ہیں، کیونکہ ساتوں آسمانوں کو زمینوں پر اسی طرح (اوپر نیچے) محبوس رکھا گیا ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ بے شک جب ہم نے مذکورہ روایت کو شاذ پایا، تو اس کے ساتھ ہماری نماز، اور ہمارے روزوں کا کوئی حکم

www.idaraghufran.org

متعلق نہیں، اور اس پر ہمارے ایمان کی کوئی چیز موقوف نہیں، اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی شرح کو ترک کر دینا چاہیے (فیض الباری) (جاری ہے)

عبرت کدہ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام: قسط94 مولانا طارق محمود

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ﴾

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

بنی اسرائیل اور ''ذبحِ بقرہ'' کا واقعہ (تیسرا وآخری حصہ)

بہرحال ساری حیل وحجتیں کرنے کے بعد بالآخر انہوں نے گائے کو ذبح کردیا، اس کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پس ان لوگوں نے اس کو ذبح کردیا، حالانکہ وہ ذبح کرنے والے نہیں تھے، یعنی اُنہوں نے مجبوراورلاچار ہوکر گائے کو ذبح کیا، ورنہ وہ ذبح کرنے والے نہ تھے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ اتنی صفات والی گائے اُنہیں بہت مشکل سے اور انتہائی مہنگی قیمت پر دستیاب ہوئی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص کے پاس بہت مشکل سے ان صفات کی گائے ملی، اوراس گائے کے دس گناوزن کے برابر سونے پر لین دین کا معاملہ ہوا۔

اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گائے کی کھال دیناروں سے بھر کر قیمت ادا کرنے پر سودا طے ہوا۔ [1]

---

[1] فبلغنا أنهم لم يجدوا البقرة التى نعتت لهم إلا عند عجوز عندها يتامى، وهى القيمة عليهم، فلما علمت أنه لا يزكو لهم غيرها، أضعفت عليهم الثمن .فأتوا موسى فأخبروه أنهم لم يجدوا هذا النعت إلا عند فلانة، وأنها سألتهم أضعاف ثمنها .فقال لهم موسى: إن الله قد كان خفف عليكم فشددتم على أنفسكم فأعطوها رضاها وحكمها .ففعلوا، واشتروها فذبحوها(تفسير ابن كثير، ج ا ص ۲۹۵، سورة البقرة)

وروى فى قصص هذه البقرة روايات تلخيصها: أن رجلا من بنى إسرائيل ولد له ابن، وكانت له عجلة فأرسلها فى غيضة وقال: اللهم إنى أستودعك هذه العجلة لهذا الصبى .ومات الرجل، فلما كبر الصبى قالت له أمه وكان برا بها: إن أباك استودع الله عجلة لك فاذهب فخذها، فذهب فلما رأته البقرة جائت إليه حتى أخذ بقرنيها وكانت مستوحشة فجعل يقودها نحو أمه، فلقيه بنو إسرائيل ووجدوا بقرة على الصفة التى أمروا بها، فساموه فاشتط عليهم .وكان قيمتها على ما روى عن عكرمة ثلاثة دنانير، فأتوا به موسى عليه السلام وقالوا: إن هذا اشتط علينا، فقال لهم: أرضوه فى ملكه، فاشتروها منه بوزنها مرة، قاله عبيدة . السدى: بوزنها عشر مرات .وقيل: بملء مسكها دنانير .وذكر مكى: أن هذه البقرة نزلت من السماء ولم تكن من بقر الأرض فالله أعلم(تفسير القرطبى، ج ا ص ۴۵۴، ۴۵۵، سورة البقرة)

www.idaraghufran.org

چنانچہ اس کے بعد جب گائے کو ذبح کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی بنی اسرائیل کو حکم فرمایا کہ:

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا .

یعنی ''پھر ہم نے کہا کہ مارو اس مُردے کو (ذبح شُدہ) گائے کے بعض حصے کے ساتھ''۔

جب مقتول کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا کہ ذبح شُدہ گوشت کا ایک ٹکڑا اس کے جسم کے ساتھ لگایا گیا تو اُس نے بطور معجزہ زندہ ہو کر قاتل کا نام بتایا اور پھر فوراً ہی مَر گیا۔ [1]

جب اللہ تعالیٰ نے مردہ کو زندہ کرنے کا واقعہ زندہ آنکھوں سے دکھلا دیا تو پھر فرمایا کہ:

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى . وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

یعنی ''اسی طرح زندہ کرے گا اللہ تعالیٰ مُردوں کو، اور (اللہ تعالیٰ) تم کو دِکھاتا ہے نمونے (اپنی قدرت کے) تاکہ تم عقل سے کام لو''۔

موت کے بعد زندہ کرنا اور حساب کتاب کے لئے قیامت کے دن اٹھایا جانا قرآن وحدیث میں جگہ جگہ مذکور ہے، اللہ تعالیٰ نے اس چیز کا انکار کرنے والوں کو قرآن مجید میں مختلف طریقوں سے جواب دیا ہے، اور بعض دفعہ مُردوں کو زندہ کر کے بھی دکھلا دیا، جیسا کہ اس واقعہ میں ایسا ہی ہوا کہ مقتول نے بحکمِ الٰہی زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا، اور یہ واقعہ حاضرین کے سامنے ہوا، سب نے دیکھ لیا کہ مردہ زندہ ہوا، اور تواتر کے ساتھ یہ قصہ لوگوں تک پہنچ گیا، تو اب موت کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔ بہرحال جو لوگ اپنی عقل کو صحیح استعمال کرتے ہیں، ان کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہی کافی ہو جاتا ہے، اور جو تھوڑا بہت شبہ رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں معلوم ہونے سے دور ہو جاتا ہے۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ''ذبحِ بقرہ'' اور مقتول کے زندہ کر دینے کے درمیان کیا

---

[1] اس جگہ صرف مقتول کا بیان اس لیے کافی سمجھا گیا کہ وہ مُردہ عالَمِ برزخ کو دیکھ چکا تھا، لہٰذا اُس کی بات میں جھوٹ کا احتمال نہیں رہا تھا، نہ ہی وہم اور بھول کا اندیشہ تھا، کیونکہ درحقیقت مُردہ کا زندہ ہونا یہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا، اور معجزہ میں ان غلطیوں کا احتمال نہیں ہوا کرتا؛ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ مقتول سچ بولے گا، ورنہ صرف مقتول کے بیان سے بغیر شرعی شہادت اور گواہی کے کسی پر قتل کا ثبوت کافی نہیں ہوتا (کذا فی معارف القرآن عثمانی وادریسی)

www.idaraghufran.org

مناسبت ہے، جو احیائے مقتول کے لیے یہ خاص صورت اختیار کی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کی حکمتوں اور مصلحتوں تک پہنچنا، انسانی قدرت سے باہر ہے، تاہم عقل وشعور کی جو روشنی، اللہ نے انسان کو بخشی ہے، وہ اس طرف راہنمائی کرتی ہے کہ اگر بنی اسرائیل کی اس تاریخ پر نظر کی جائے، جو پہلے گزر چکی ہے، تو یہ بات بخوبی روشن ہو جاتی ہے کہ مصر کے بود وباش نے بنی اسرائیل کے اندر، بت پرستی، خصوصاً گائے پرستی کی عظمت وتقدیس اور بچھڑا پرستی کا جذبہ بہت زیادہ پیدا کر دیا تھا، جو جگہ جگہ ابھر آتا، اور ان پر اثر انداز ہونے لگتا تھا، چنانچہ اس موقع پر اللہ کی مصلحت نے یہ فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کی اس گمراہی کو کسی ایسے عمل سے دور کرے، جس کا مشاہدہ خود ان کی آنکھیں کر رہی ہوں، لہٰذا ان کو مشاہداہ کرایا کہ جس چیز کی تقدیس تمہارے دل میں اس قدر پیوست ہوگئی ہے کہ بار بار نمایاں ہوتی ہے، اس گائے کی حقیقت یہ ہے کہ تم نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کو فنا کے گھاٹ اتار دیا، اور وہ تمہارا بال بھی بیکا نہ کر سکی (کذا فی قصص القرآن للسیوہاروی، ج ا ص ۳۹۴، ۳۹۵، حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام)

علمی وتحقیقی رسائل (جلد 21)

(1)..."عمل بالحدیث" کا حکم

(2)...ایک غالیانہ تحریر کا علمی محاسبہ

مصنف: مفتی محمد رضوان خان

www.idaraghufran.org

طب و صحت

حکیم مفتی محمد ناصر

''حُلبۃ''، یعنی میتھی

میتھی کو عربی میں ''حُلبۃ'' اور انگریزی میں Fenugreek کہا جاتا ہے۔

میتھی سردیوں کے موسم کی خاص قوت بخش سبزی ہے، اور بآسانی کاشت کی جاسکتی ہے، پاکستان کے پنجاب کے علاقے قصور کی میتھی زیادہ خوشبودار ہوتی ہے، اس لئے زیادہ مشہور ہے، میتھی کے پتے اور بیج دونوں استعمال کیے جاتے ہیں، میتھی کو سبزی کے طور پر تازہ پتوں کا ساگ بنا کر سالن کی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے، اور میتھی کے بیج، دواء کے طور پر مختلف بیماریوں مثلاً ہائی بلڈ پریشر، شوگر، معدے اور دیگر کئی امراض کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، نیز میتھی دانہ اور میتھی سبزی کے باقاعدہ استعمال سے قوتِ مدافعت میں اضافہ ہوتا ہے اور بہت سی موسمی بیماریوں سے بچاؤ میں مدد ملتی ہے۔

بے شمار گھروں میں میتھی دانے کی افادیت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس کو استعمال نہیں کیا جاتا، حالانکہ میتھی اور میتھی دانہ، قدرت کی بڑی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔

میتھی کی افادیت سے متعلق بعض روایات بھی مشہور ہیں، مگر سند کے اعتبار سے محدثین نے ان میں سے بعض روایات کو ضعیف قرار دیا ہے، لہٰذا میتھی کی افادیت اپنی جگہ، مگر ضعیف احادیث کی بنیاد پر میتھی کی افادیت سے متعلق مخصوص مضبوط عقائد بنالینا قابلِ اصلاح ہے، البتہ میتھی اور اس کے بیج یعنی میتھی دانہ کے طبی فوائد تجربات کی روشنی سے ثابت ہیں۔

میتھی کے طبی فوائد وخواص کے ذکر سے پہلے، نشاندہی کی غرض سے میتھی سے متعلق بعض روایات نقل کی جاتی ہیں۔

> میتھی سے متعلق سنداً ایک ضعیف روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری امت کو علم ہوجائے کہ اس کے لئے ''حُلبۃ'' (یعنی میتھی) میں کیا (فائدے) ہیں، تو وہ اسے خریدتے، اگرچہ سونے کے وزن کے ساتھ ہو (طبرانی)

www.idaraghufran.org

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے اس روایت کے ایک راوی سلیمان بن سلمہ خبائری کو متروک قرار دیا ہے۔

اور علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے اس راوی کو کذاب یعنی جھوٹا قرار دیا ہے۔ [1]

میتھی سے متعلق ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لائے، اور اُن کے علاج کے لئے طبیب ومعالج کو طلب فرمایا، چنانچہ حارث بن کلدہ ثقفی طبیب نے آ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا معائنہ کیا، اور کہا کہ فکر کی بات نہیں، ان کے لئے میتھی کو عجوہ کھجور کے ساتھ جوش دیا جائے، اور اسی کا حریرہ انہیں دیا جائے، چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ استعمال کیا، اور انہیں شفاء ہوگئی۔ [2]

میتھی، میتھی دانہ اور میتھرے میں فرق

میتھی دانہ سے ملتا جلتا ایک اور نام بھی ہے، جسے میتھرے کہا جاتا ہے، میتھی اور میتھرے دونوں کی شکل وصورت، ذائقہ، اور فوائد میں کافی فرق ہے، میتھی کے پتے گول، قدرے بیضوی، پتلے ہوتے ہیں، اس کے پھول نہایت زرد اور خوشبو تیز ہوتی ہے، جبکہ میتھرے کے پتے قدرے لمبے، موٹے اور پھول سفید ہوتے ہیں، اور میتھرے کی خوشبو بھی کچھ خاص نہیں ہوتی، عام طور پر میتھروں کو اچار یا اچاری مصالحہ جات میں استعمال کیا جاتا ہے، طبی لحاظ سے اصل فائدہ مند چیز میتھی اور میتھی کے بیج یعنی میتھی دانہ ہیں، میتھرے کے طبی فوائد اس سے الگ ہیں۔ (جاری ہے......)

---

[1] عن معاذ بن جبل، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو تعلم أمتي ما لها في الحلبة لاشتروها ولو بوزنها ذهبا (مسند الشاميين للطبراني، رقم الحديث ۲۱۱، المعجم الكبير للطبراني، ۱۸۷، المقاصد الحسنة للسخاوي، رقم الرواية ۴۱۰)

قال الهيثمي: رواه الطبراني وفيه سليمان بن سلمة الخبائري وهو متروك (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۸۰۳۵، باب ما جاء في الحلبة)

(المتروك) (والقسم الثاني من أقسام المردود، وهو ما يكون بسبب تهمة الراوي بالكذب هو المتروك) جعله قسما مستقلا، وسماه متروكا، لأن اتهام الراوي بالكذب مع تفرده لا يسوغ الحكم بالوضع (شرح شرح نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر، لملا نور الدين، القاري الهروي الحنفي، ص ۴۵۳)

[2] عَن سعد:أنه مرض بمكة فعاده النبي ﷺ فقال: ادعوا له طبيبا فدعي له الحارث بن كلدة الثقفي فنظر إليه فقال: ليس عليه بأس فاتخذوا له فريقة بشيء من تمر عجوة وحلبة بطبخان فتحساها فبرأ (الطب النبوى لابى نعيم الاصفهانى، رقم الرواية ۳۶۰، ورقم الرواية ۳۶۱، معرفة الصحابة لابى نعيم، ۲۰۷۳)

www.idaraghufran.org

اخبارِ ادارہ   مفتی محمد ناصر

ادارہ کے شب وروز

❏......5/ 12/ 19/ 26 ربیع الاول اور 4/ ربیع الآخر 1445ھ بروز جمعہ متعلقہ مساجد میں وعظ ومسائل کے سلسلے حسبِ معمول ہوئے۔

❏......7/ 14/ 21/ 28/ ربیعُ الآخر 1445ھ، بروز اتوار مدیر صاحب کی اصلاحی مجالس صبح تقریباً ساڑھے دس بجے ادارہ غفران میں منعقد ہوتی رہیں۔

❏......23/ ربیعُ الاول، بروز منگل مفتی صاحب، اپنے ایک محبّ جناب عرفان صاحب کی دعوت پر اُن کے گھر عشائیہ میں مدعو تھے۔

❏......25/ ربیعُ الاول، بروز جمعرات ادارہ میں شعبہ حفظ کے دو طلبہ، حافظ رضوان اور حافظ سعد ریاست کی تکمیلِ قرآن کے موقع پر دعائیہ تقریب منعقد ہوئی۔

❏......4/ ربیعُ الآخر، بروز جمعہ، مولانا طارق محمود صاحب کے بھائی جناب مقصود صاحب کا مقامی ہسپتال میں آپریشن ہوا، اللہ تعالیٰ موصوف کو صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔ آمین

❏......5/ ربیعُ الآخر بروز ہفتہ، مسجد المقبول ومدرسہ دارالعلوم اصحابِ صفہ، روات کے مہتمم مولانا عتیق الرحمٰن صاحب اپنے جامعہ کے جملہ اساتذۂ کرام کے ساتھ، روات میں واقع ادارہ غفران کی شاخ میں ظہرانے پر تشریف لائے، ظہرانے کے بعد اہلِ علم حضرات کی مفتی صاحب مدیر کے ساتھ علمی گفتگو ہوئی، بعد نمازِ ظہر مہمانانِ گرامی واپس تشریف لے گئے۔

❏......06/ ربیعُ الآخر، بروز اتوار، ادارہ میں شعبہ حفظ کے طالب علم، حافظ عبدالرحمٰن شفیق ریاست کی تکمیلِ قرآن کے موقع پر دعائیہ تقریب منعقد ہوئی۔

www.idaraghufran.org

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی